الجنۃ تحت اقدام الامہات ۞

نامور خواتین

سید یحییٰ شاہ الحسینی

[illegible] 1664 سے 1668 [illegible]

[illegible]

شمالی خاتون اور
عصری تقاضے

مؤلف

محمد یحییٰ سید

maablib.org

پبلشرز نارتھ نیوز ایجنسی مدینہ مارکیٹ گلگت

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	شمالی خاتون اور عصری تقاضے
نام مولف	محمد یحیٰ سید
سرورق	محب الدین محب
کمپوزنگ	اکبر کریم
پروف ریڈرز	ڈاکٹر حسن خان۔شیر باز علی برچہ
پبلشرز	نارتھ نیوز ایجنسی مدینہ مارکیٹ گلگت
اشاعت	پہلا ایڈیشن مئی 2004ء
تعداد	1000
قیمت	100/-
ملنے کا پتہ	نارتھ نیوز ایجنسی مدینہ مارکیٹ گلگت
پیشکش	این۔اے۔آر۔ایس۔پی آغا جان بلڈنگ اتحاد چوک گلگت
محرک	غلام عباس، جنرل سیکریٹری، این اے آر ایس پی
تعاون	حاجی کلب علی، غلام مرتضیٰ سمازی

maablib.org

انتساب

میں اپنی اس تالیف کو مثالی خاتون بلتستان دختر سکردو بنی مریم کے نام مسنون کرتا ہوں جس نے نہ صرف ایثار و قربانی کا بے مثال نمونہ پیش کیا بلکہ اپنے چند جان گداز و پرسوز اشعار سے ذلت آمیز شکست خوردہ قوم کے مردہ ضمیر کو جھنجوڑ کر زندہ کیا اور قوم کو ایک نیا ولولہ اور جوش دیا جس کے نتیجے میں ایک ذلت آمیز شکست فتح میں تبدیل ہو گئی۔

بنی مریم تم زندہ ہو اور زندہ رہو گی۔

سید محمد یحییٰ شاہ

فہرست مضامین

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ نمبر
۱	پیش لفظ	۹
۲	مقدمہ۔ نظام فطرت	۱۴
۳	روایتی خاتون اور جدید تقاضے	۱۷
۴	ہماری روایتی خاتون	۲۸
۵	سماجی تبدیلی	۲۹
۶	مثالی خواتین	۳۳
۷	حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا	۳۳
۸	حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا	۳۶
۹	حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا	۳۸
۱۰	حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا	۴۰
۱۱	حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا	۴۱
۱۲	حضرت ام کلثوم سلام اللہ علیہا	۵۷
۱۳	بنی اسد کی خواتین	۵۹
۱۴	نسیبہؓ	۶۰
۱۵	حفصہؓ بنت عبدالمطلب	۶۱
۱۶	ہندہ عمر بن جموح کی زوجہ	۶۲
۱۷	ام سلیمؓ	۶۴
۱۸	ایک عورت جو شکایت کرنے آئی تھی	۶۵
۱۹	جمیلہ بو پاشا	۶۶
۲۰	ملکہ جوار خاتون	۶۷
۲۱	حسینہ	۷۰
۲۲	بیگم احمد امان ایڈووکیٹ مرحوم	۷۱
۲۳	مہر پروین	۷۲

maablib.org

۲۴	پری طاؤس	۷۳
۲۵	سفینہ صدیقی	۷۴
۲۶	شمع چراغ	۷۶
۲۷	فریدہ بتول	۷۷
۲۸	مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح ایک مثالی بہن	۸۱
۲۹	ڈاکٹر رتھ ناؤ	۹۰
۳۰	شمالی علاقہ جات کی ماسور خواتین	۹۵
۳۱	لوگومرہم	۹۷
۳۲	وزیرزادی حیدر بی کتاپا	۹۹
۳۳	لال بیگم اور سردار عالیہ	۱۰۳
۳۴	اشرفی	۱۰۴
۳۵	زیبا	۱۰۵
۳۶	مدرثریا	۱۰۶
۳۷	دولت خاتون	۱۰۸
۳۸	اپی رحیم بی ستق	۱۱۰
۳۹	علویہ خانم موسوی	۱۱۱
۴۰	امینہ خاتون	۱۱۲
۴۱	زہرا بیگم چلو	۱۱۴
۴۲	شاہجہان بیگم	۱۱۵
۴۳	رانی فخرالنساء مقبون	۱۱۷
۴۴	شاہجہان بیگم سگو	۱۱۸
۴۵	فوزیہ سلیم	۱۲۰
۴۶	محمودہ بیگم	۱۲۱
۴۷	زبیدہ بیگم	۱۲۳
۴۸	زبیدہ حراموشی	۱۲۴
۴۹	مدرجمالی نمبردار دارمل	۱۲۵

اظہار تشکر

میں درج ذیل محترم حضرات کا شکر گزار ہوں جن کی اعانت اور تعاون سے زیر نظر قلمی کاوش زیور طباعت سے مزین ہوئی۔

1۔ جناب ظفر اقبال صاحب مینیجنگ ڈائریکٹر جیلکو جنہوں نے مالی اعانت سے سرفراز فرمایا۔

2۔ جناب محب الدین محب صاحب جنہوں نے وادی جواری کی تصویر اور بیبی مریم کی تصویر بنائی۔

3۔ جناب شیر باز علی برچہ

سید محمد عباس کاظمی اور ڈاکٹر حسن خان اماچہ نے قلم کاری میں تعاون فرمایا۔

4۔ شعرائے عظام۔

جناب جمشید خان دکھی، جناب اشتیاق احمد راہی اور جناب عبدالخالق تاج اور ابو شاکر کے بھی بے حد ممنون مشکور ہوں جنہوں نے اپنے کلام سے کتاب کی افادیت اور رونق کو دوبالا کر دیا ہے۔

5۔ جناب شیر جہان میر صاحب، جی ایم قراقرم کوآپریٹیو بنک کا بھی ممنون ہوں۔

6۔ محب الدین کا بھی شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ جس نے سرورق کو ترتیب دیا۔

خاکسار سید محمد یحیٰی شاہ

maablib.org

کہنے کی بات

حال کا منظر نامہ کچھ یوں ہے کہ ہمارے ہر عمل کے مفہوم میں حیران کن حد تک تبدیلی آرہی ہے۔ آج سماج کی فلاحی تشکیل کا دور ہے۔ جس میں دانشوروں کا اصلاحی کردار لوازمات میں سے ہے۔ اس کردار کی ایک جھلک ہمیں زیر نظر کتاب میں نظر آتی ہے۔ فاضل مؤلف سید محمد یحییٰ شاہ الحسینی صاحب ایک عرصے سے فیوڈل دور کی خرافات کے پردے چاک کرتے رہے ہیں۔ وہ اپنی تقاریر اور تحریروں کے ذریعے یہ بھی بتاتے رہے ہیں کہ ہمارے فکر وعمل کی عادت ہنوز پرانی روایات سے وابستہ ہے۔ جس کی وجہ سے زمانے کے نئے تقاضوں اور طرز عمل کے قدیم رویوں کے مابین جدل کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔ زیر نظر کتاب میں مؤلف نے چند ایک عالمی، ملکی اور علاقائی حوالے سے شہرت یافتہ ایسی خواتین کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے تمام تر شدائد کے باوجود اپنے وقت کے جبر اور قاہر قوتوں کے آگے سر نہیں جھکایا۔ ان خواتین نے مصائب کے سیلاب کے آگے نہ صرف قیام کیا بلکہ مشکلات کا مفہوم بھی بدل دیا۔ اس کتاب کا موضوع عورت ہے اور میرے مشاہدے میں شمالی علاقہ جات میں یہ اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہے اور لگتا یوں ہے کہ یہ بارش کا اولین قطرہ ثابت ہوگا۔

عورت کے مسائل کی فہرست خاصی طویل ہے اور حد تو یہ ہے کہ اکیسویں صدی میں داخل ہونے کے باوجود ان مسائل کے خاتمے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ یہ کتاب ایک جائزہ ہے، شمالی خواتین کی مشکلات کا اور نامور خواتین کے لئے خراج تحسین بھی۔ سید محمد یحییٰ شاہ الحسینی صاحب یہ بھی بتاتے ہیں کہ جس پاکیزہ دین نے

سب سے پہلے عورت کے حقوق کی بات کی آج اسی معاشرے میں عورت زبوں حال ہے۔اس کتاب میں انہی مسائل پر نشتر زنی کی گئی ہے۔بقول مشتاق احمد راہی۔

پہلے میں جنتے ہی در گور ہوا کرتی تھی

آج میں جیتے جی در گور رہا کرتی ہوں

لیکن......

شمالی عورت اتنی کوتاہ ہمت بھی نہیں۔مومن آباد ہنزہ کی لال بیگم ہو یا چترال کی اشرفی وسردار عالیہ، خاندان عماچہ کی دولت خاتون ہو یا آج کی فوزیہ سلیم، ملکہ جوار خاتون ہو یا داریل کی نمبرداری، انہیں ہم دنیا کے کسی بھی حصے کی باہمت اور شیر صفت خواتین کی قطار میں دیکھ سکتے ہیں۔

سید محمد یحییٰ شاہ الحسینی صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان) کی خواتین کے مقام ومرتبہ اور مسائل پر قلم اٹھا کر اولیت کا مقام حاصل کیا۔اللہ بزرگ وبرتر شاہ صاحب کی عمر دراز کرے۔(آمین)

شیر باز علی خان برچہ

maablib.org

پیش لفظ

اگر چہ ناردرن ایریاز میں خواتین کی خودکشیوں کے اکاذ کا واقعات رونما ہوتے رہتے تھے جن کو معمولات زندگی سمجھ کر کوئی اس معاملے کی طرف دھیان نہیں دیتا تھا لیکن گزشتہ ایک سال سے جناب غلام عباس صاحب جنرل سیکریٹری این۔اے۔آر۔ایس۔پی۔گلگت نے باربار اس طرف توجہ دلائی جب اعداد و شمار اکٹھا کرنا شروع کیا تو تب اسکی سنگینی کا احساس ہوا۔ چنانچہ این۔اے۔آر۔ایس۔پی گلگت کے بورڈ نے اس معاملے پر غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ این۔اے۔آر۔ایس۔پی گلگت اپنی تمام ترجیحات کو ترک کر کے صرف حقوق نسواں کے لئے عوامی پیروکاری شروع کریگی اس فیصلے کی روشنی میں زیر نظر کتاب ضبط تحریر میں لائی گئی ہے ہماری روایتی خاتون کا آخری دور ہے اس لئے کہ اس وقت ماں۔کھیتوں کی طرف جارہی ہے جبکہ اسکی بیٹی سکول کی طرف جارہی ہے ماں چھوڑ چبارہی ہے تو بیٹی راستہ چلتے ہوئے چیونگم چبانے میں مشغول نظر آتی ہے۔ماں بچپن میں چڑیلیں (روئی) دیو، پری، بھوت، جن ،ڈنیل (کاہن) پشو اور قسم قسم کی دیومالائی کہانیاں سنتی تھی اب بیٹی انکی جگہ ٹیلیویژن ڈرامے نمائشی اور اشتہاری خواتین کی تصویریں دیکھتی ہے اخبار رسالے پڑھتی ہے اور ریڈیو سنتی ہے بیٹی سکول، کالج اور یونیورسٹی کے ماحول میں ہے اور ماں دیہی روایتی ماحول میں، مختصراً ماں اور بیٹی اس وقت دو نسلوں کی نمائندگی کرتی ہیں اگرچہ ماں اور بیٹی ایک ہی گھر میں سکونت پزیر ہیں لیکن دونوں کے خیالات اور احساسات الگ الگ ہیں۔ اگرچہ ہر خودکشی کے پس منظر میں ایک الگ کہانی پوشیدہ ہے لیکن تمام وجوہات کو جنم دینے والی دو بڑی وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ

یہ کہ 1972ء سے قبل ایف۔سی۔آر اور راج واڑہ نظام رائج تھا اس نظام میں یہ رواج تھا کہ اگر کسی خاتون پر کسی قسم کی زیادتی ہوتی تو وہ کسی بزرگ شخصیت کے گھر میں پناہ لیتی تھی

وہ بزرگ، نمبردار، پیر، عالم دین، سید، بشیر، گشپو ریار لجہ ہوتے تھے، پناہ دینے والا بزرگ فوری انصاف پہنچایا کرتا تھا اس وقت نمبردار نہ صرف رپورٹر ہوتا تھا بلکہ عدالتوں میں حاضر ہوکر ملزم کے خلاف گواہی دینا بھی اپنا فرض سمجھتا تھا 1972 کے بعد پناہ دینے والا مجرم بنتا ہے وہ اس طرح کہ جب مظلومہ عورت کسی کے گھر پناہ لیتی ہے تو پناہ دہندہ کے خلاف ظالم مرد اغوا کا کیس درج کراتا ہے لہٰذا پرانے رواج کے ختم ہونے سے جو خلا پیدا ہوا تھا وہ نیا نظام (پولیس اور عدالتیں) پر نہ کر سکیں اب خاتون کہاں جائے اور کس کے پاس جائے وہ تھانہ نہیں جاسکتی ہے اور نہ ہی اتنی مہنگی اور صبر آزما عدالتوں سے رجوع کرسکتی ہے پہلے نمبردار مجرم کے خلاف رپورٹ درج کرانے اور عدالت میں سچی گواہی دینا اپنا فرض سمجھتا تھا اب منتخب ممبر، کونسلر، مجرم کو تھانہ سے چھڑانا اپنا فرض سمجھتا ہے اسلئے کہ وہ اسکا ووٹر ہے گواہ حلف اٹھانے کے بعد بھی جھوٹی گواہی دینے میں عار محسوس نہیں کرتے پس زیادہ تر خواتین انصاف سے مایوس ہوکر خودکشی کرتی ہیں۔

دوسری وجہ

معاشرہ اور سماج کا خواتین کے ساتھ ناشائستہ سلوک گالی گلوچ جسمانی تشدد اور عزت نفس کی پامالی ہے جسکی وجہ سے خواتین خودکشی پر مجبور ہوتی ہیں حالت یہاں تک پہنچی ہے کہ ایک خاتون جس کا اپنا دو سال کے بیٹے کو لیکر دریا میں کود گئی اس طرح اس نے نہ صرف اپنی زندگی کا چراغ بجھا دیا بلکہ اسے اپنا معصوم نورِ نظر کو بھی اپنے بعد زندہ رہنے نہیں دیا۔

کلچرل شیم (ثقافتی شرمندگی)

سماجی تبدیلی کو کفر کے فتوے اور ثقافتی شرمندگی کا خوف نہیں روک سکتا ہے اس وقت ہمارے سامنے وقت کے تین چیلنجز سر اٹھائے ہوئے ہیں۔

پہلا چیلنج: کیا ہماری بہن بیٹیوں کا کتابوں سے جنکا رشتہ جڑ چکا ہے پڑھ لکھنے کے بعد سب کو ملازمت' جاب' ملا کریگا؟ جواباً عرض ہے کہ سب کو جاب ملنا ممکن نہیں تو کیا ان بے روزگار خواتین

کھیتوں میں، مویشی خانوں میں، باغوں میں کام کریں گیں؟ جب کہ لڑکے میٹرک پاس کرنے کے بعد کاشت کاری میں عار محسوس کرتے ہیں یا پھر مزدوری کیلئے تیار ہونگی۔

دوسرا چیلنج: مغربی کلچر میں فرد کی آزادی اس حد تک ہے کہ نکاح کی پابندی بھی ضروری نہیں یعنی نکاح بھی فرد کی آزادی کے خلاف ہے۔ لباس کی پابندی بھی آزادی نسواں کے خلاف ہے وہ اپنے حسن کی نمائش کرسکتی ہیں۔ وہ آزادی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نائٹ کلبوں کی زینت بن سکتی ہیں۔ وہ جوانوں کو طعام گاہوں اور کلبوں میں دعوت شراب دے سکتی ہیں۔ وہ بغیر نکاح کے بچے پیدا کر سکتی ہیں اس لئے کہ آزاد ہیں مختصرا کہ وہ حسینہ عالم بن سکتی ہیں۔

یورپی نکاح

ایک تماشہ سے کم نہیں لوگ اب چرچ میں نکاح نہیں پڑھاتے ہیں بلکہ شادی ہال میں جوڑے جمع ہوتے ہیں اور ایک آدمی جوڑوں کا نام لیکر پوچھتا جاتا ہے تم آپس میں راضی ہو؟ جوڑے جواب دیتے ہیں ہاں بسا اوقات جوڑوں کی بیکاح اولاد ساتھ ہوتی ہے جب انکے ابو اور امی کا نام لیکر پوچھا جاتا ہے تم راضی ہو تو پیچھے سے لڑکا امی اور ابو سے پہلے کہتا ہے ہاں اور والدین قہقہہ لگاتے ہیں اس لادینی کلچر کا میڈیا کے ذریعے آزادی نسواں کے نام پر حملہ ہو چکا ہے۔

تیسرا بڑا چیلنج

قوت افرنگ از علم و فن است

از ہمیں آتش چراغش روشن است

حکمت از قطع و برید جامہ نیست

مانع علم و ہنر عمامہ نیست

ترجمہ:- یورپ کی قوت علم ہنر اور حکمت سے ہے نہ کہ لباس اور فیشن سے ہے۔

روایتی خاتون کے ساتھ سماج کا رویہ جیسے جب دادی اور اماں بوڑھی ہو جاتی ہیں تو بیٹے، پوتے، نواسے، پوتیاں، بیٹیاں اور نواسیوں کو وہ چڑیلیں نظر آنے لگتی ہیں اسلئے کہ انکو یہ معلوم ہے کہ بوڑھی عورتیں چڑیل ہوتی ہیں۔ گھر میں مرد حضرات چاہے باپ ہو خاوند ہو یا بیٹا انکا رویہ خواتین کے ساتھ یہ ہے تم نہیں سمجھتی تم نہیں جانتی تم چپ رہو تم یہ نہ کرو، نہ جاؤ، نہ بولو، نہ دیکھو، نہ لکھو۔ فلاں کی بیٹی، فلاں کی پوتی کہاں مرگئی تھی تجھے گاڑھ دوں؟ تم مر جاؤ چڑیل کہیں کی تم اپنی بدشکل منی اور بھائی کھاؤ (سم دال کھ)۔ کیا یہی رویہ ایک تعلیم یافتہ لڑکی کے ساتھ جاری رہ سکتا ہے ؟یا کوئی لڑکی پڑھی لکھی ہو یہ رویہ برداشت کر سکتی ہے اسی طرح گالی گلوچ اور مار پیٹ برداشت کر سکتی ہے؟ مختصراً یہ کہ غیر شائستہ سلوک نئی نسل برداشت نہیں کر سکتی لہٰذا اسکا نتیجہ بغاوت کی شکل میں نکلے گا۔ یعنی حفظ ذات سے بغاوت (خودکشی) ثقافت سے بغاوت (بوائے فرینڈ کے ساتھ فرار) خاندانی روایات سے بغاوت، عدالتوں کے نہ ختم ہونے والے جال میں پھنسنا، مذہب سے بغاوت (نمائشی اور اشتہاری بننا) وغیرہ۔

اس مغربی پرفریب لادینی کلچر کے سیلاب کو روکنے کے لئے فکری انقلاب کی اشد ضرورت ہے پس درج ذیل تجاویز پر عمل کر کے ایک انقلابی تبدیلی لانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

- ☆ اب ہمیں اپنا قومی اور علاقائی طریق کلچر جس کو ہم نے اسلام سمجھا ہے کو اسلام سے الگ کر کے سمجھنا ہوگا قرآن کریم، سنت اور تاریخ کی طرف سنجیدگی سے رجوع کرنا ہوگا۔ لہٰذا کھیتی باڑی مرغبانی، گلہ بانی، ڈیری فارمنگ کا کام کرنے میں عار محسوس نہ کریں بلکہ اس میں فخر محسوس کریں۔
- ☆ ہمیں اب قرآنی فیصلہ کے مطابق بیٹی کو وارث تسلیم کر کے اسکا حصہ دینا ہوگا اسی طرح شوہر کے مرنے کے بعد بیوہ کو شوہر کی جائیداد میں سے 1/8 حصہ دینا ہوگا۔
- ☆ بیوی کی رضامندی کے بغیر اس سے بیگار نہیں لینا ہوگا
- ☆ بیٹی کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ اپنی مرضی سے اپنا جیون ساتھی کا انتخاب کرلے۔ انہیں

والدین صرف نصیحت کی حد تک دخل دیں اس پر عمل کرنا ہوگا۔

- ☆ جنسی اختلاف کو طبقات کا درجہ نہیں دینا ہوگا۔
- ☆ خاتون کی عزت نفس اور شخصیت کا احترام کرنا ہوگا۔
- ☆ ماں کو دایہ نہیں بلکہ ماں سمجھنا ہوگا۔
- ☆ بیوی کو کنیز نہیں بلکہ شریک حیات بنانا ہوگا۔
- ☆ اگر بیٹا نعمت ہے تو بیٹی کو رحمت سمجھنا ہوگا۔
- ☆ "جنت ماں کے قدموں میں ہے" پر یقین رکھنا ہوگا۔
- ☆ سب سے بڑی بات عورت چڑیل نہیں بلکہ ماں، دادی، نانی ہے سمجھنا ہوگا
- ☆ اور آخر میں خواتین کو خاتون جنت کے نقش قدم پر چلنے پر آمادہ کرنا ہوگا۔

اس لئے کہ خاتون کو ایک مثالی بیٹی، مثالی ماں اور مثالی بیوی بننا ہے حسینہ عالم نہیں۔ بقول اقبالؒ کے "وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ" یہ کتاب خواتین کو حقوق دلانے کی طرف این۔اے۔آر۔ایس۔پی کی طرف سے ایک ابتدائی کوشش ہے۔ ادارہ پر امید ہے کہ سرکاری، غیر سرکاری ادارے علمائے کرام مخیر حضرات، دانشور، ادیب شعراء مقامی اور قومی پریس اور عوام، ادارے کی اس کاوش میں بھر پور مددگار ہو کر اپنی ماؤں اور بہنوں کی نہ صرف آن بچائینگے بلکہ خودکشی کے تدارک سے جان بھی بچائیں گے۔ آپ کے تعاون کے بغیر ادارہ اس نیک کام میں کامیاب نہیں ہوسکتا ہے۔

سید محمد یحیٰی شاہ

maablib.org

نظام فطرت

مقدمہ

فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان حیوانات اور نباتات کی طرح فطرت سے ہم آہنگ زندگی گزارے۔ چنانچہ قدرت نے ہر ذی روح اور نباتات کو یہ حق دیا ہے کہ وہ تمام تر خوشیوں کے ساتھ اپنے مسکن (دنیا) میں نہ صرف خود زندہ رہے بلکہ اپنی نسل بھی بڑھائے۔ مگر ایک قانون کے تحت وہ یہ کہ ہر جاندار اور پودا اپنا ماحول اور مد مقابل دشمن کا مقابلہ کرے، اگر کوئی جاندار یا پودا ماحول اور اپنے مد مقابل دشمن کا مقابلہ نہ کر سکے تو وہ اس دنیائے عمل سے معدوم ہوگا۔ یعنی موت سے دوچار ہوگا اور اس کی نسل باقی نہیں رہے گی جب تک انسان فطری اصولوں سے ہم آہنگ زندگی گزارتا ہے تو وہ فساد اور مسائل سے بچا رہتا ہے، لیکن کیا کیا جائے انسان کی سرشت میں بغاوت شامل ہے۔ پس آدمؑ نے بھی ایک پابندی سے آزادی چاہی جس کی پاداش میں حضرت آدمؑ کو بہشت سے دنیا میں آنا پڑا۔

آج اگر خواتین خودکشی کے مرتکب ہو رہی ہیں تو اس کی بنیادی وجہ معاشرے کے فطری اصولوں کے خلاف بغاوت ہے۔ مرد عورت کے بغیر مکمل نہیں۔ اسی طرح عورت مرد کے بغیر مکمل نہیں۔ لہٰذا عورت اور مرد کا فطری اصولوں پر مبنی اتحاد دونوں کی تکمیل ہے، جانوروں کو دیکھئے جو فطرت سے ہم آہنگ زندگی گزارتے ہیں۔ نر جانور اپنی مادہ جانور کے قریب دوسرے نر جانور کو میٹنگ کے موسم میں آنے نہیں دیتا۔ صرف اس موسم میں نر جانوروں کی آپس میں تصادم اور فساد برپا ہوتا ہے، فطری بات یہ ہے نر جانور اپنی پسند کی مادہ جانور کے ساتھ ملاپ اور محبت میں دوسرے کی شرکت پسند نہیں کرتا ہے، اور مداخلت کے خلاف جنگ لڑتا ہے۔ یہ اس لئے کہ اس کی نسل خالص رہے۔ یہ فطری اصول انسان سے بھی وابسطہ ہے۔ مرد کسی صورت میں اپنی بیوی کی محبت میں کسی دوسرے مرد کی شرکت فطرتاً برداشت نہیں کرتا۔ ایسے مسائل کی بنیاد پر قتل کی وارداتیں عمل

میں آتی ہیں۔ فرض کریں کہ مرد اس فطری جبلت کے خلاف بغاوت کرتا ہے اور بیوی کو آزادی نسواں کے نام پر آزاد کر دیتا ہے تو اس بغاوت کے منفی نتائج معاشرے کو بھگتنے پڑتے ہیں۔ یعنی طلاق، خودکشی اور مخلوط نسل کی صورت میں مسائل پیش آتے ہیں جو خاندان کی تشکیل کو برباد کر دیتے ہیں۔

اسی طرح نسل کشی کے فطری نظام میں نر جانور کو ماحول اور مد مقابل دشمنوں کے خلاف دفاعی ذمہ داریاں زیادہ تفویض ہوتی ہیں جبکہ مادہ کو بچہ پیدا کرنے، پالنے اور تربیت کی ذمہ داریاں فطرت کی طرف سے تفویض ہوتی ہیں۔ ساتھ ہی خوراک کی بہم رسانی میں کی بھی مادہ سے نر کو زیادہ ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ یعنی جسمانی ساخت اور صحت کی بنیاد پر نر اور مادہ میں فرائض اور ذمہ داریاں تقسیم ہیں دونوں کا مقصد ایک ہے یعنی خاندان کی تشکیل، چنانچہ مقصد کے حصول کے لئے۔ نر اور مادہ کی جدوجہد کو جہد للبقا یعنی زندہ رہنے کے لئے کوشش سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ہمیں فلاسفروں کی طرف رہنمائی کے لئے رجوع کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم نظام فطرت سے ہم آہنگ ہو جائیں۔ نظام فطرت میں نر اور مادہ کے جسمانی طاقت اور صحت کے اعتبار سے جہد للبقا کے عمل میں یعنی مشترکہ مقصد کے حصول میں دونوں شریک ہیں۔ حمل اور رضاعت کے ایام میں مادہ کو آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ خوراک کے حصول کے عمل میں اپنا پورا کردار ادا نہیں کر سکتی ہے۔ اسی طرح دفاع کے عمل میں بھی اپنا پورا کردار ادا کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ بس اس کردار کی کمی کو نر پورا کرتا ہے۔ یعنی ان دنوں نر پر کام اور فرائض کی انجام دہی کا بوجھ زیادہ پڑتا ہے، جب رضاعت سے مادہ فارغ ہوتی ہے اور اس کا بچہ بڑا ہوتا ہے تو وہ نر کے ساتھ دفاع اور خوراک کی حصول میں شریک ہوتی ہے۔ مختصراً نر اور مادہ دونوں کے اشتراک عمل مقصد سے خلوص ایثار اور قربانی کے مجموعی تاثر سے ایک خاندان وجود میں آتا ہے اور اس کی نسل باقی رہتی ہے۔ ان دنوں میں مادہ نر کی انتہائی وفادار ہوتی ہے اسی طرح نر بھی مادہ کا وفادار ہوتا ہے۔ پس ایک خاندان کی تشکیل کے لئے قدرت کا یہ قانون ہے کہ نر اور مادہ یعنی مرد اور عورت (میاں اور بیوی) ایک دوسرے کے وفادار ہوں وہ اپنی آپس کی محبت میں کسی دوسرے کو شریک ہونے نہ دیں۔ خاندان کی تشکیل اور جہد للبقا کے عمل میں صحت اور طاقت کی

بنیاد پر مرد اور عورت شریک ہوں۔ اسی طرح محبت، ایثار، خلوص اور وفاداری سے ہی مرد اور عورت ایک خاندان کو تشکیل دے سکتے ہیں۔

مندرجہ بالا فطری اصولوں کی خلاف ورزی سے، خودکشی، طلاق، قتل، خونریزی اور تباہی جیسے واقعات جنم لیتے ہیں۔ ہمیں کسی مفتی صاحب کے پاس میاں بیوی کے مسائل پوچھنے کے بجائے، مرغا اور مرغی کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ یہ جوڑا کتنی محبت، ایثار اور قربانی سے ایک دوسرے کے ساتھ مربوط زندگی گزارتا ہے۔ مرغا اپنی بھوک پر قانع ہے اور دانہ مرغی کی خدمت میں پیش کرتا ہے اور مرغی بڑی اداؤں اور نازک مزاجی کے ساتھ اس پیشکش کو قبول کرتی ہے۔ پس ہر خاندان کو چاہئے کہ وہ اپنے گھر کا مفتی (مرغا) سے پوچھے کہ وہ خوشحالی اور پر مسرت زندگی کیسے گزارے، مفتی اپنا پر پھڑ پھڑاتے ہوئے مرغی کو اپنی محبت کا احساس دلاتا ہے۔ یہی فطرت کے مفتی اعظم کا پیغام ہے۔

سید محمد یحییٰ شاہ

روایتی خاتون اور جدید تقاضے

روایتی خاتون

چونکہ شمالی علاقہ جات کا معاشرہ قدیم الایام سے پدرسالاری رہا ہے چونکہ پدرسالاری معاشرہ میں عورت کی حیثیت ایک غلام اور کنیز سے زیادہ نہیں ہوتی ہے لڑکی اور لڑکے کے درمیان جنس کا اختلاف طبقاتی اختلاف میں بدل جاتا ہے مرد حاکم ہوتا ہے اور عورت محکوم، مرد مالک ہوتا ہے اور عورت مملوک اس تقسیم کے نتیجے میں تمام اچھائیاں خوبیاں اور بزرگیاں مرد کے حصے میں جاتی ہیں جبکہ عورت حقارت پستی ذلت اور بدشگونی کی علامت بن جاتی ہے۔ باپ کا وارث صرف بیٹا ہوتا ہے دھن دولت، خاندان کی بڑھائی افتخار اور استقلال کی علامت سمجھی جاتی ہے اسی دولت کو مرکوز رکھنے کیلئے بیٹی کو باپ کی وراثت کا حصہ نہیں ملتا ہے بیٹی کو وراثت ملنے کی صورت میں دولت اور جائداد تقسیم ہوتی ہے اور خاندان کی شان و شوکت میں کمی آتی ہے۔ پس دھن دولت بڑھانے کی لالچ میں لڑکیاں داپ (ژپ) کے نام پر فروخت ہوتی ہیں پس دولتمند طبقہ ژپ (رقم) دیکر تین اور چار تک بیویاں رکھ کران سے غلاموں کی طرح مشقتی کام لیتا ہے تاکہ دولت میں اضافہ ہوتا رہے۔

لڑکیوں کے ماں باپ دولت کی لالچ میں دوسری اور تیسری شادی کے لئے بیٹیاں دینے میں عار محسوس نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی اپنی بیٹی کے مستقبل کے بارے میں سوچتے ہیں۔ ماضی میں جب خاتون بیوہ ہوتی تھی تو وہ اپنی مرضی سے دوسری شادی نہیں کرسکتی تھی اس لیے کہ اسکو ژپ / داب دیکر لائی گئی ہے لہٰذا خریدی ہوئی چیز پر نہ تو ماں باپ کا حق ہوتا ہے اور نہ ہی بیوہ کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے شادی کرے پس وہ سسرال کی ملکیت ہوتی تھی۔ یہ رسم اب تقریباً ختم ہوچکی ہے۔

جب بیٹا پیدا ہوتا ہے تو والدین کو مبارک بادیاں دی جاتی ہیں فائرنگ اور اچھوش کا

اہتمام کیا جاتا ہے ہمسایوں اور محلہ والوں میں 'چھرموکی' (CHHARMUKI) تقسیم ہوتی ہے رشتہ داروں اور دوستوں کی طرف سے تحفہ اور تحائف وصول ہوتے ہیں زچہ اور بچہ کے لیے کپڑے سلے جاتے ہیں اور جب لڑکی پیدا ہوتی ہے تو خوشیوں کا کوئی سماں نظر نہیں آتا ہے البتہ دختر فروشوں کو یہ امید ضرور ہوتی ہے کہ جب انکی بیٹی جواں ہوگی تو اسکو کسی مالدار کے ہاتھ 'ڑپ' کے عوض فروخت کرکے کچھ دولت ہاتھ آئیگی۔

قبل اسلام ہمارا مذہب کہانت (Shamanism) رہا ہے جس میں عورت کی شخصیت مسخ ہے لہٰذا تمام مصیبتوں اور زیادتیوں کی ذمہ دار عورت کو ٹھہرایا گیا ہے۔

روئی

غول بیابانی (چڑیل) عمر رسیدہ اور کمر خمیدہ خواتین کی بابت یہ مشہور ہے وہ روئی ہوتی ہے۔ روئی کے بارے میں یہ عقیدہ ہے کہ وہ انسان کو غیر مرئی طور پر کھا جاتی ہے جس کے نتیجے میں انسان مرجاتا ہے۔

روئی کی اقسام

☆ وہ روئی جو صرف بچوں کو کھا جاتی ہے اس کو 'سبنی روئی' (Sibini Ruye) کہتے ہیں۔

☆ وہ روئی جو اپنوں کو کھاتی ہے 'اتولی روئی' (Atuli Ruye) کہتے ہیں۔

☆ وہ روئی جو اپنوں کو بچاتی ہے اور دوسروں کو کھاتی ہے 'سوتولی روئی' (Sutuli Ruye) کہتے ہیں

☆ وہ روئی جو عمر بھر انسانوں کو کھا کھا کر اس کا ہاضمہ خراب ہوجاتا ہے اور وہ ہمیشہ بیمار رہتی ہے اور زیادہ تر بستر پر اپنا وقت گزارتی ہے اس کو 'شوشولی روئی' (Shoshule Ruye) کہتے ہیں۔

یمالے (YAMALIYE)

چھوٹی لڑکیاں جو حسین وجمیل ہوتی ہیں اور جھنڈ کی صورت میں رات کو اڑتی ہیں اور ہر جانور کی آواز میں بول سکتی ہیں انسان کو ضرور نقصان پہنچاتی ہیں۔

لیلئی چئی (LALAYCHAYE)

خونی عورت جس مقام پر انسان کا خون گرا ہو وہاں پر کوئی جانور کی 'ماری' یعنی قربانی نہ دی ہو تو اس مقام پر خونی عورت 'لیلئی چئی' اپنا مسکن بناتی ہے اور اس مقام پر انسانی خون گرتا رہتا ہے۔

سونئی چئی (SONEYE CHAYE)

سونے کی عورت جہاں پر سونا رکھا ہوا ہو یا پھر ایسے دریا اور نالے جن کے کناروں کی ریت چھان کر نتھار کر سونا حاصل کیا جاتا ہو یا سونے کی کان پر ایک عورت رہتی ہے اگر انسان کسی جانور کی قربانی (ماری) دیئے بغیر سونا حاصل کرنا چاہئے تو اس کی جان خطرے سے دوچار ہوتی ہے اور خطرہ 'سونئے چئی' کی طرف سے لاحق ہوتا ہے۔

درنجی (DARNIJI)

یہ بھی ایک عورت ہے (جنگلی حیات کی دیوی) جو شکاری جنگلی حیات کو ناجائز نقصان پہنچاتا ہے اس شخص کی جان لیتی ہے یا اس کی اولاد کو جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔

مورکم (MURKUM)

یہ جنگلات اور چراگاہوں کی دیوی ہے جو جنگلات اور چراگاہوں کو آلودہ کرنے والوں کی خبر لیتی ہے۔

یودنی (YUDANI)

موسیقی، شاہی خاندانوں اور کوکھ (جات) کی دیوی ہے۔ یہ دیوی بھی ایک عورت ہے جو ایک علاقہ سے دوسرے علاقے کو جانے والی دلہن اور برات کو (ماری) قربانی نہ دینے کی صورت میں بانجھ بناتی ہے اور اسکی اولاد نہیں ہوتی ہے۔

میل گس (MAYALGUS)

یہ ایک خطرناک عورت ہوتی ہے جس کے منہ سے آگ برستی ہے یہ ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ پر اترتی ہے جہاں یہ اترتی ہے وہاں پر آسمانی بجلی گرتی ہے اور وہاں سیلاب کا طوفان اُمنڈ آتا ہے۔

یچھنی (YCHHENI)

یہ ایک دیوقامت عورت ہوتی ہے جو انسانوں کو نگل لیتی ہے اور انتہائی خطرناک ہے جس کی مثال کارگاہ نالہ کی چٹان پر کندہ گوتم بدھ کی صورت ہے۔ جسکو مقامی طور پر 'یچھنی' کہتے ہیں۔ یہ کہانی مشہور ہے کہ مذکورہ 'یچھنی' جب صورت نہیں تھی اس وقت پونیال سے گلگت اور پھر گلگت سے پونیال جانے والے مسافروں کو راستے میں بیٹھ کر پکڑتی اور کھا جاتی تھی۔ ایک دن ایک دنئیل (Shaman) کا وہاں سے گزر ہوا۔ جونہی دنئیل نے 'یچھنی' کو دیکھا تو چلا کر کہا 'یچھنی' کیا تم کو معلوم ہے کہ تمہارا جوان بیٹا مر گیا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی ہائے کہہ کر 'یچھنی' نے جوں ہی ایک ہاتھ اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا۔ دنئیل نے ژرگی یعنی ایک منتر سے اسکو پتھر بنا دیا۔

دوم دادی چھئی (DUMDADI CHAYE)

منحوس عورت یعنی غربت افلاس مصیبت ،نحوست شکست، بدبختی کی عورت یعنی مذکورہ تمام نحوستوں کے باعث 'دوم دادی چھئی' مشہور ہے۔

اُشوٹی چھے (AUSHUTI CHAYE)

نجس عورت، چنانچہ خواتین کو ان کی عادتی ایام میں گھر میں نہیں رکھا جاتا تھا بلکہ انکے لئے آبادی سے باہر ایک جھونپڑی تعمیر کر کے وہاں منتقل کیا جاتا تھا اور کھانا وہاں پہنچایا جاتا تھا اور جب خواتین غسل سے پاک ہوتی تو ان کو گھر لایا جاتا تھا۔ گھر میں پہلے اسپندور کے پتیوں کی دھونی دی جاتی تھی اور پھر خواتین کو اندر آنے کی اجازت دی جاتی تھی۔

مرد جب کام یا سفر کیلئے صبح کو گھر سے نکلتے ہیں تو خیال رکھتے ہیں کہ ان کی نظر کسی عورت پر نہ پڑے تاکہ اس کا سفر وسیلہ ظفر ہو عورت پر نظر پڑنے کی صورت میں وہ دن اور سفر اسکے لیے نحس ثابت ہوتا ہے۔

اسی طرح شمالی علاقے کا ایک جنگ جو رلبہ کی بابت مشہور ہے کہ اسکو جنگی اخراجات پورے کرنے کیلئے مالیاتی مہم چلانا پڑی اس دوران اس نے بہت سے قیدی اور کم دست زن و مرد کو بردہ فروشی میں فروخت کیا ان میں انکی اپنی رضاعی ماں بھی تھی جس نے رلبہ کو اپنی چھاتی کا دودھ پلایا تھا۔ اسکے وزیروں نے کہا کہ یہ تو تمہاری رضاعی ماں ہے جس نے تجھے بچپن میں دودھ پلایا ہے۔ جواباً رلبہ صاحب نے فرمایا اس حساب سے یعنی دودھ پلانے سے اگر کوئی ماں بنتی ہے تو پھر تمام گائیں جن کا ہم سب دودھ پیتے ہیں نہ ان کو ذبح کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کو فروخت کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے کہ یہ سب مائیں ہیں۔ درج بالا واقعات کا یہاں ذکر کرنے کا مقصد میرا صرف یہ ہے کہ روایتی خاتون کی شخصیت کے ساتھ سلوک کو اجاگر کرسکوں اور قاری ہمارے معاشرے کا خواتین کے ساتھ سلوک اور رویہ سے آگاہ ہو آج کی خاتون خانہ درج بالا عقائد و افسوں کی رجعتی زنجیروں کی اسیر ہے اسکی محنت و مشقت اور کمائی میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔ لہٰذا مرد موجودہ معاشرہ میں استحصار کا کردار ادا کرتا ہے یعنی خواتین کی کمائی خود ہڑپ کر لیتا ہے اس لئے کہ وہ مرد ہے اور طاقت ور ہے۔ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ہم خواتین کو پڑھاتے ہیں اور جب وہ تعلیم سے فارغ ہوتی ہیں تو انکو نوکری دلانے کی کوشش کرتے ہیں یا اس سے ملازمت کی توقع رکھتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ بیٹی کی تعلیم پر دولت خرچ ہوئی ہے اور اب بیٹی کسی دوسرے کیلئے کمائے

گی۔ لہذا مرد یہ کوشش کرتا ہے کہ بیٹی کی شادی ہر صورت میں چاہے بیٹی کی شخصیت مجروح ہی کیوں نہ ہو، اپنے خاندان کے کسی جاہل ان پڑھ سے ہو، تاکہ اسکی تنخواہ (کمائی) میں اسکا حصہ محفوظ ہو۔ چنانچہ دباؤ اور دھمکیوں سے اس تعلیم یافتہ خاتون کی شخصیت کو پامال کیا جاتا ہے یا پھر تنخواہ کیلئے اس کی شادی میں بہانے تراشتے ہیں۔ اس خوف سے کہ جب بیٹی تنخواہ کے ساتھ کسی دوسرے گھر میں جائے گی پڑھانے کا مجھے کیا صلہ ملا؟ لہذا تعلیم نسواں پر خرچ کرنا نقصان وہ ہے اس خرچ کا کوئی فائدہ نہیں۔ خاندان کے بعد علاقائی مسئلہ درپیش آتا ہے یعنی اپنے علاقے میں ہی بیٹی بیاہی جائے چاہے اسکا خاوند ہم کفو ہو یا نہ ہو۔ اسکے بعد مذہب کی باری آتی ہے۔ ہمارے موجودہ معاشرے میں خاتون کی شخصیت کی کما حقہ تعمیر ممکن نہیں وہ کسی نہ کسی جبر چاہے وہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ کی اسیر ہے وہ آزاد نہیں وہ اپنی مرضی سے اپنا جیون ساتھی کا انتخاب نہیں کرسکتی وہ اپنی کمائی کو اپنی مرضی سے خرچ نہیں کرسکتی وہ اپنے ہونے والے ظلم، جبر، زیادتی کے خلاف انصاف کے دروازے کو نہیں کھٹکھٹا سکتی ہے۔ سماج کا رویہ مشفقانہ نہیں بلکہ ظالمانہ ہے۔ انصاف کے دروازوں پر طاغوتی پہرے ہیں انصاف ملتا نہیں بلکہ خریدا جاتا ہے۔ خریدنے کیلئے مالی استطاعت نہیں تھانوں سے فرعونیت ٹپکتی ہے اور عدالتوں کی عمارتوں سے قارونیت ٹپکتی ہے۔ عبادت گاہیں روایتی اور علامتی ہیں اس لیے پناہ گاہیں نہیں لہذا ستم رسیدہ خواتین سماجی، معاشرتی، مذہبی، سیاسی اور ملکی عدالتوں سے مایوس ہونے کے بعد شدت احساس سے مغلوب ہو کر نفسیاتی طور پر احتجاجاً دریا کے بپھری ہوئی موجوں اور لہروں سے متصل ہو کر اپنی متاع زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں۔

خواتین کی نفسیات

خواتین کی حس عموماً تیز ہوتی ہے اور زیادتی کا اثر جلد قبول کرلیتی ہیں۔ جب اس پر زیادتی سسرال کی طرف سے ہو یا اور کسی سے وہ ایک دم مشتعل ہوتی ہے اور کم از کم اپنے بچوں کی مار کٹائی شروع کردیتی ہے یہ اسکی نفسیات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مردوں سے زیادہ خواتین خودکشی کی مرتکب ہوتی ہیں خواتین پر ظلم کا ردعمل یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے بچوں پر زیادتی کر کے ظالموں کو

احساس دلانا چاہتی ہے کہ وہ ظالم ہیں یا پھر میکے چلی جاتی ہے تا کہ سسرال والوں کو اپنی غیر حاضری سے اپنی ناراضگی کا احساس دلائے یہ اس کا احتجاج کا طریقہ ہے۔

جدید تعلیم

پاکستان بننے کے بعد عموماً اور 1966 کے بعد خصوصاً تعلیم نسواں نے رواج پایا یعنی ہماری دو نسلوں نے جدید تعلیم سے فائدہ اٹھایا اس طرح خواتین میں تعلیم عام ہوگئی۔ تعلیم نے خواتین پر سماج کی طرف سے ہونے والی زیادتیوں کے بارے میں زیادہ حساس بنایا جس سے شدت احساس بڑھ گیا۔

اے۔ کے۔ آر۔ ایس۔ پی

جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ اے۔ کے۔ آر۔ ایس۔ پی نے خواتین کی معاشی حالت بہتر بنانے کیلئے قدم بڑھایا اور ترقی کے نام خواتین کو مغرب زدہ ماڈل پیش کیا اُس مغربی خاتون کو نہیں دکھایا جو علمی تحقیقات کے لیے کتب خانوں میں اپنی زندگیاں بسر کرتی ہیں یا پھر یتیم خانوں، ہسپتالوں اور دیگر انسانی بہبود کے اداروں میں اپنی عمر کھپاتی ہیں مثلاً فلورنس نائٹنگل وغیرہ۔

ہماری غلطی

ہماری غلطی یہ ہے کہ ہم نے اپنی روایتی خاتون کو اسلام کا لبادہ پہنایا ہے اور اپنی غیر اسلامی ثقافتی روایات کو اسلامی سمجھا ہے جو آج کی تعلیم یافتہ اور روشن فکر خاتون کے لیے روایتی ماڈل لمحہ فکریہ ہے وہ اس وقت ماحول کے جبر سے مجبور ہو کر با دل ناخواستہ صابرو شاکر نظر آتی ہے چونکہ اسے یہ کہا گیا۔ کہ یہ اسلامی تعلیمات ہیں انکی پابندی لازمی ہے۔ چنانچہ مبادا وہ اسلام سے خارج نہ ہو اور وہ کافرہ نہ کہلائے پس وہ اپنے ماحول کی روش میں جتی ہوئی ہے لیکن تا بکے (کب تک) چونکہ انسان کی سرشت میں آزادی پسندی (بغاوت) کا جذبہ بھی ہے ماسوائے انسان کے

مرزی روح حفظ ذات کی اسیر ہے چنانچہ بیل، اونٹ، خچر، گھوڑے اور گدھوں پر جتنا بوجھ ڈالیں وہ بوجھ تلے جان دے سکتے ہیں لیکن خودکشی نہیں کر سکتے ہیں، لیکن صرف انسان مختلف وجوہ کی بناء پر حفظ ذات کے خلاف بغاوت کر کے خودکشی کا مرتکب ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ آدم نے شجر ممنوعہ کا پھل کھایا جبکہ اسکو شجر ممنوعہ کا پھل کھانے (قریب جانے) سے منع کیا گیا تھا اس پابندی سے آزادی چاہی بقول اقبالؒ

خدایا یہ تیرے آزاد بندے کدھر جائیں

یہاں مرنے کی پابندی وہاں جینے کی پابندی

خودکشی یورپ میں، ہالبواکس اور دورکھیم نے خودکشی کے عنوان سے کتابیں لکھی ہیں جن میں سماجیاتی تناظر میں یورپ میں خودکشی کے مسئلہ کا جائزہ لیا گیا ہے۔خودکشی مشرق کی نسبت یورپ میں بہت زیادہ ہے اور یورپ کا ایک اجتماعی سنگین مسئلہ ہے اور کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں ہے بلکہ ایک ایسی واقعیت ہے جسکا گراف روز بروز اوپر جارہا ہے ترقی یافتہ ممالک میں خودکشی کی شرح روز بروز ترقی کر رہی ہے جو ملک جس قدر ترقی یافتہ ہے وہاں خودکشی کا رجحان اسی حد تک غالب ہے شمالی امریکہ میں یہ شرح سب سے زیادہ ہے ایسا کیوں ہے۔یہ ایک بہت بڑا سوال ہے بادی النظر میں اسکا جواب اخلاقی قدروں کی پامالی ہے۔پس معلوم ہوا کہ صرف مادی ترقی مسئلہ کا حل نہیں ہے بلکہ اسکا حل ہمہ جہت جدوجہد سے عبارت ہے

نمائشی خواتین جنکا وجود گھروں میں کارخانوں میں کھیتوں میں باغوں میں اور چراگاہوں میں نہیں بلکہ انکا وجود ریڈیو ٹیلیویژن، اخباروں اور رسالوں تک پھیلا ہوا ہے اس قسم کی خواتین نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دنیا میں پائی جاتی ہیں یہ ایک بین الاقوامی قسم ہے اس قسم کو مغربی خاتون سمجھنا غلط فہمی ہے ہم پاکستان میں مغربی خاتون کا جو روپ دیکھ رہے ہیں وہ ساختہ پاکستان ہے مغربی خاتون کا پاکستانی ایڈیشن ہے یہ مغرب کی آوارہ اور آبرو باختہ خواتین کی تصویر ہے یہ خاتون صرف مغرب کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔یہ پاکستان میں بکثرت پائی جاتی ہے ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہمیں ہمیشہ مغربی عورت کا وہی روپ دکھایا جاتا ہے دراصل ہمارا مغربی

عورت سے تعارف صرف فلم، ٹیلیویژن اور جنسی رسالوں کے ذریعے ہے ہمارے سامنے عورت کے اس مخصوص روپ کو تمام مغربی عورتوں کی نمائندہ قسم بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ ہمیں اس مغربی عورت کو جاننے نہیں دیا گیا جو جوانی میں صحرائے گوبی، افریقہ یا الجزائر اور آسٹریلیا کے ریگستانوں میں چلی جاتی ہے اور اپنی زندگی کے قیمتی دن اس پر خطر اور وحشت ناک ماحول میں بیماری اور موت کے حصار میں وحشی قبائل کے درمیان گزار دیتی ہیں اور اپنی ساری عمر تحقیقی اور سائنسی کاموں کے لیے وقف کر دیتی ہیں۔ جب یہ خاتون مرتی ہے تو اسکی بیٹی اس کام کو آگے بڑھا دیتی ہے یہاں تک کہ یہ مغربی خاتون 50 سال گزارنے کے بعد یورپ واپس چلی آتی ہے۔

ہمیں مادام گوشن کو جاننے نہیں دیا گیا جس نے اپنی تمام عمر بوعلی سینا ابن رشد، ملا صدرا اور حاجی ملا حاجی سبزواری جیسے اکابر فلاسفہ کے افکار و خیالات کے مطالعہ میں گزاری اُنکے فلسفوں کا تحقیقی اور تجزیاتی مطالعہ کیا اور یونانی فکر اور ارسطو کے خیالات کا اُنکے خیالات سے موازنہ اور مقابلہ کر کے اس بات کی نشاندہی کی کہ ہمارے حکماء نے یونانی فکر سے کس قدر اور کس نوعیت کا استفادہ کیا ہے مزید یہ کہ فکر یونان کے وہ کون کون سے مقامات ہیں جن میں ہمارے مفکرین نے غلط سمجھا مادام گوشن نے ان غلطیوں کی نشاندہی کی جنہیں ہم اپنے ہزار سالہ دور تمدن میں دریافت کرنے سے قاصر رہے تھے۔

اس طرح ہم اٹلی کی مادام دیلا ویدا (DILAVIDA) کو بھی نہیں جانتے انکا ایک کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے قدیم یونانی زبان میں لکھے گئے ارسطو کے رسالہ نفس کی روشنی میں حکیم بوعلی سینا کی کتاب نفسیات کی تکمیل و تعلیم کی۔

اسی طرح مادام کیوری Cure کے متعلق بھی کچھ نہیں جانتے جنہوں نے کوانتوم او تابکاری جیسے دقیق مسائل پر تحقیقی کام کیا ہم نے سوئیڈیش نژاد او برزاس دولاشاپل (RESESS DULA CHAPPELLE) کے بارے میں کچھ نہیں سنا ہے جو حضرت علیؑ کے بارے میں علماء اسلام سے زیادہ علم رکھتی ہے اس نے عنفوان شباب سے حضرت علیؑ کے

بارے میں اپنی تمام زندگی حضرت علی کی شخصیت انکے افکار وخیالات کے مطالعہ کے لیے وقف کر دیا اس نے اپنی تمام صلاحیتوں کو اس عظیم ہستی کی شناخت کے لیے وقف کر دیا جس سے اسلامی معاشرے میں نظر انداز کر دیا گیا اس نے اس شخصیت کو تلاش کیا اس کے ساتھ ہی اس دختر فرنگ نے علی کی نہج البلاغہ کو مرتب اور مدون کیا عرب مسلمان اس عظیم کتاب سے مفتی محمد عبدہ مفتی اعظم مصر کے ادبی منتخبات کی حد تک واقف ہیں الختصر اس خاتون کو حضرت علی پر تحقیقاتی مطالعہ اور اسکے بعد کتاب لکھنے میں 42 سال لگے دنیا کے تمام آزادی پسند انسان جو ظلم واستبداد کے مخالف ہیں اس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں کہ مغرب کی نمائندہ عورت وہ نہیں ہے جو فحش رسالوں عریاں فلموں اور ٹیلویژن کے ذریعے ہم سے تعارف کرائی جاتی ہے۔

مغرب کی نمائندہ عورت وہ نہیں جو ڈان ژوان جیسے مردوں کا کھلونا ہے جو مال و دولت زر و جواہر کی دیوانی ہے جو ایک ایسی ماڈرن کنیز ہے جو ہوس کاروں کے لیے کھلونا بنی رہتی ہے یہاں تک کہ جب ہوس کاروں کا دل بھر جاتا ہے تو اسے بیکار چیز سمجھ کر پھینک دیتے ہیں ایسی عورت مغرب کی نمائندہ عورت نہیں بن سکتی۔ مغربی عورت تو درحقیقت انسانی ترقی کی ان حدود کو چھو رہی ہے کہ جہاں وہ اپنی ملت کی بلندی کا آئیڈیل اور اپنی نسل کی آزادی اور افتخار کا مظہر نظر آتی ہے افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہم مادام تونگی سے واقف ہیں جس کو 1971 میں حسینہ عالم منتخب کیا تھا۔ ہمیں یہ تاثر دیا گیا ہے کہ وہ اسی قبیل کی عورتیں جدید اور متمدن مغربی عورت کا آئیڈیل ہیں جیسے جیکولین روفائیس جو ہر معاملہ کو دولت کی ترازو میں تولتی ہے یا فلم اسٹار بی بی یہ سب عورتیں وہ ہیں جو مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام میں افزائش زر کا ایک ذریعہ انکی مصنوعات کے لیے اشتہار سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں ایک کھلونا اور نو دولتی طبقہ کے عشرت کدوں کے لیے کنیزان تمدن جدید کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ وہ عورتیں ہیں جن کے لیے تہذیب وتمدن کے معنی صرف لباس اور جسم کی آرائش ہے اور اپنے جسم کے اسفل حصوں کی نمائش ہے۔ یہ خاتون بازار ہے وہ بازاری عورت ہے جو بازاروں اور چوراہوں پر آوارہ گردی کرتی ہے ہوٹلوں، نائیٹ کلبوں، تفریح گاہوں میں لوگوں کے لیے دل بستگی کا سامان کرتی ہیں۔ رقص سرور کی محافل ومجالس کو اپنے عشوہ اور ناز وادا سے نوجوان نسل کو اپنی طرف راغب کرتی ہے اور جنسی بے راہ روی کو فروغ دیتی ہے۔ جب انکی

جوانی ڈھل جاتی ہے چہرے پر جھریاں نمودار ہوتی ہیں اور اپنی فطری حسن کو خود کھو دیتی ہیں تو پلاسٹک سرجری اور میک اپ سے اپنی جوانی کو برقرار رکھنا چاہتی ہیں لیکن دن بہ دن اس کی جنسی کشش میں کمی آتی ہے اس کے یار دوست اس سے بے اعتنائی برتنا شروع کر دیتے ہیں تب اسے احساس ہوتا ہے کہ اس نے اپنی جوانی کو کیسے برباد کیا ہے۔ بے وفا مردوں کی بے وفائی اور بے اعتنائی کا احساس اسے ایک کرب میں مبتلا کرتا ہے اور وہ دن بہ دن تنہائی محسوس کرنے لگتی ہے۔ اب اس کا دنیا میں کوئی نہیں حسرت و یاس ناداری اسے گھیر لیتی ہے وہ سمجھتی تھی کہ جوانی ہمیشہ رہے گی اور اسکا کمایا ہوا پیسہ سب کچھ ہے لیکن اب اس کو پتہ چلا کہ اس نے کیا کھویا اور کیا پایا۔

مغربی عورت کے جس تصور سے ہم آشنا ہیں وہ نئے زمانے کی پیداوار ہے لیکن اس نئے زمانے کی پیداوار عورت کیوں اور کیسے پیدا ہوئی اسکی وجہ یہ ہے کہ قدیم زمانے میں یورپ میں خواتین کے ساتھ ناروا سلوک روا رکھا جا رہا تھا اسکو منحوس خیال کیا جاتا تھا اور یہ تصور تھا کہ آدم کو جنت سے نکالنے والی عورت ہے اور عورت حضرت آدم کی پسلی سے پیدا ہوئی ہے عورت مجسمہ شیطان ہے ہر برائی کی بنیاد ہے لہٰذا زندگی بھر مجرد رہنا ہی بہترین طریقہ ہے اسلئے حضرت عیسیٰ نے شادی نہیں کی بس مذہبی لوگ پادری اور مونک شادی نہیں کرتے تھے۔ خواتین پر سماجی اور معاشرتی جبر تھا۔ عورت غلام اور کنیز تھی اس کی کمائی میں اسکا کوئی حصہ نہیں تھا اس سے مشقتی کام لیا جاتا تھا اس کی حیثیت ایک غلام اور ایک قیدی کی سی تھی۔ چنانچہ سینٹ تھامس ڈیکن (.ST THAMAS DAQIN) کا فرمانا ہے کہ اگر خداوند کسی مرد کے چہرے پر عورت کے لئے محبت کا جذبہ دیکھتا ہے تو وہ عورت اس کی بیوی ہی کیوں نہ ہو غضبناک ہو جاتا ہے اس لئے کہ وہ یہ پسند نہیں کرتا کہ کسی مرد کے دل میں خداوند کی محبت کے علاوہ اور کوئی محبت جگہ بنا سکے۔ مسیح نے تمام عمر بغیر شادی کے بسر کی اس لیے جو چاہتا ہے کہ سچا مسیحی بنے اسے چاہئے کہ عورت کے سائے سے بھی دور رہے بس یورپ نے ماضی میں عورت کے ساتھ غیر انسانی سلوک کیا اور دین و مذہب کے نام پر اس کی جو تحقیر و تذلیل کی گئی۔ آج کی مغربی عورت اس سلوک کے رد عمل کی مظہر ہے۔

آزادیٔ نسواں

یورپ میں سب سے پہلے تحریک احیاء علوم چلی اسکے بعد صنعتی انقلاب آیا اور سب کے آخر میں جنگ عظیم اول و دوئم رونما ہوئے متذکرہ انقلابی عوامل کے نتیجے میں سرمایہ دارانہ نظام رائج ہوا اور بورژوائی طبقہ نے جنم لیا جس نے قدیم سماجی، معاشرتی اور مذہبی قدروں کو یکسر تبدیل کر دیا، فردکی آزادی اور آزادی نسواں کے نام پر خواتین سے کہا گیا کہ آزاد ہو جاؤ یہ لباس جو تم زیب تن کرتی ہو یہ مجازی ہے اس کو اتار پھینکو اور اصلی روپ میں آجاؤ چنانچہ اس آزادی کے نام پر عورت کی شخصیت کو ٹریڈ مارک بنا دیا اور سرمایہ داروں نے اپنی پیداوار کی کھپت کیلئے اس آزادی نسواں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عورت کو اشتہاری اور نمائشی بنا دیا حسینہ عالم بننے کے لیے کیا کچھ نہیں ہوا نائٹ کلبوں رقص و سرور کی محفلوں کی رونق بنا کر ذریعہ زر بنا دیا گیا یوں عورت کے تقدس اور شخصیت کو بازاری بنا دیا گیا۔ انجام کار جو خواتین حسینہ عالم کو اپنا آئیڈیل بنانا چاہتی ہیں ان کا انجام تنہائی اور خودکشی ہے۔

ہماری روایتی خاتون

روایتی خاتون تمام اجتماعی امور میں حصہ لیتی ہے اور دولت پیدا کرنے کے کام میں پوری طرح مرد کا ہاتھ بٹاتی ہے یہ گھر کے باہر گلہ بانی اور کھیتی باڑی میں مردوں کے ساتھ کام کرتی ہے اور اس کے ساتھ ہی تمام گھریلو کام بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتی ہے گویا یہ دولت پیدا کرنے کے اجتماعی عمل میں بھی شریک ہے باغبانی کرتی ہے کھیتوں میں صفائی ستھرائی کرتی ہے میوہ چنتی ہے۔ درختوں سے پھل جمع کرتی ہے جانوروں کو آب و دانہ دیتی ہے۔ ان کا دودھ دوہتی ہے پھر اس دودھ سے مکھن اور دہی تیار کرتی ہے یہ اون دھنتی ہے اور کاتتی ہے اور لکڑی چنتی ہے اور بچوں کی دیکھ بھال بھی کرتی ہے۔ گھر کا کھانا بھی پکاتی ہے اور کپڑے بھی دھوتی ہے ان میں کچھ سلائی کڑھائی بھی کرتی ہیں۔ ایسی خواتین بیک وقت بیوی، دایہ، ماں، کارکن اور دستکار ہوتی ہیں۔ اس خاتون نے نہال گلستان کی طرح آزادی سے نشونما پائی ہے جو کہساروں کی قمریوں کی

طرح پاکیزہ محبت سے سرشار ہے یہ آہوان کوہ (مشک نافہ والی ہرن) کی طرح عشق اور محبت سے بچے پیدا کرتی ہے اور بچوں کو ماں کی مامتا سے نوازتی ہے مادہ کبوتر کی طرح وہ اپنے شوہر اور گھر سے مخلص ہے اور وفادار ہے اپنے گھر کو خلوص اور وفا کے پھولوں سے سجاتی ہے۔ اسکی عشق کی شدت اور خلوص اسے اپنے گھر سے وفادار رہنے پر مجبور کردیتا ہے وہ اپنے گھر کو اپنے خاندان کو عشق و وفا کے خلوص سے نوازتی ہے اور یہ سب کچھ صرف اس لیے کرتی ہے کہ وہ مخلص اور وفادار ہے۔یہ خاتون قراقرم ہندوکش اور ہمالیہ کا وقار ہے اسی نے 1947ء و 1965ء و 1971 اور کارگل کے غازیوں اور شہیدوں کو جنم دیا جس پر شمالی قوم کو فخر ہے۔

سماجی تبدیلی

سماجی تبدیلی کے سیلاب کو کوئی نہیں روک سکتا ہے یہ ایک فطری عمل ہے اسکو تنگ نظر آدمی عالم یا قدامت پسند طبقہ اس تبدیلی کے عمل کو نہیں روک سکتا ہے اس وقت ہمارا معاشرہ دونسلوں میں بٹا ہوا ہے ایک نسل عمر کے آخری دور میں ہے جبکہ دوسری نسل جدید قدروں کی نمائندہ گی کرتی ہے جیسے ماں اور بیٹی ان میں قدر مشترک صرف اتنا ہے کہ وہ ایک ہی گھر میں سکونت پذیر ہیں اور ایک ہی چھت کے نیچے سوتی ہیں۔ مثلاً۔ ماں اور بیٹی سڑک پر چلتی ہیں تو ماں یا تو خاموش چلتی ہے یا پھر کوئی پھشور کا ٹکڑا چباتی ہوئی چلتی ہے اور بیٹی چوئنگم چباتی ہوئی چلتی ہے ماں کھیت کی طرف جاتی ہے تو بیٹی سکول جاتی ہے اس طرح گھر میں بکری کا یا گائے کا دودھ بھی چلتا ہے اور ملک پیک کا دودھ بھی چلتا ہے۔

گھر میں دودھ پاوڈر، ڈالڈا وغیرہ پہنچاتا ہے۔ ٹریکٹر ہل چلاتا ہے اور بیل بھی ہیں گھر میں سائیکل بھی ہے اور گدھا بھی۔ اب خواتین کا رشتہ کتابوں سے جڑ چکا ہے اب بیٹی اپنی ماں جیسی نہیں بن سکتی ہے اصل بات یہ ہے کہ آج کی دنیا میں ماں اور بیٹی کے درمیان اختلاف کی خلیج واضح اور نمایاں ہے بیٹی کسی اخلاقی بے راہ روی کے بغیر ہی اپنی ماں سے مختلف اور بیگانہ نظر آتی ہے اور دونوں کے درمیان 20، 30 سال کا فرق دراصل دو مختلف ادوار کا فرق ہے اب ماں اور بیٹی

ایسے افراد ہیں جو مختلف زمانوں سے متعلق ہیں۔ انکی ثقافت انکا معیار فکر و نظر سب جدا جدا ہیں
یہ دو مختلف انسان ہیں جن کے درمیان قدر مشترک صرف ایک گھر میں سکونت رکھتے ہیں۔

قدامت پسند طبقہ قدیم رسوم ورواج اور ثقافت کو مذہب کا تقدس دیکر اس میں کسی قسم کی تبدیلی کو کفر سمجھتا ہے جبکہ عصر جدید میں سماجی تبدیلی کو کوئی نہیں روک سکتا ہے اس تضاد اور کشمکش سے نجات کا حل یہ ہے کہ ہم نے جو اپنی روایات رسم ورواج اور ثقافت کو مذہب سمجھا ہوا ہے اس غلط فہمی کا ازالہ کریں۔ ہماری روایات کے مطابق جیسا کہ قبل ازیں اشارہ کیا گیا ہے عورت کی حیثیت ایک غلام کی سی ہے اس روایت کا مذہب کیساتھ کوئی تعلق نہیں غلام اسکو کہتے ہیں کہ جسکے فیصلے دوسرے کریں یعنی خود غلام کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے معاملوں کے فیصلے خود کرے۔

ہماری روایات میں لوگ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو اپنی مرضی سے جسے دے دیتے ہیں اس اہم فیصلے میں بیٹی یا بہن کا کوئی دخل نہیں ہوتا تھا اس رسم کا مذہب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

☆ مذہب یہ کہتا ہے کہ عورت اپنی پسند سے اپنے جیون ساتھی کا انتخاب کرے اسکی رضامندی کے بغیر نکاح درست نہیں

☆ مذہب نے بیٹی کو باپ کی وراثت میں شامل کیا ہے یعنی بیٹی وارث ہوتی ہے جب کہ ہماری روایات بتاتی ہیں کہ بیٹی اپنے باپ کی وارثت میں شریک نہیں۔

☆ مذہب بیوہ کو خاوند کی جائیداد کا 1/8 حصہ مالک بناتا ہے جب کہ ہماری روایات میں کوئی حصہ نہیں۔ ہماری روایات کے مطابق عورت سے کام لینا نہایت ضروری ہے مذہب کا یہ فیصلہ ہے۔ کہ بغیر رضامندی اور اجرت کے بیوی سے کام لینا جائز نہیں۔ مذہب کا یہ بھی فیصلہ ہے کہ بیوی اپنے خاوند سے اپنا دودھ بچے کو پلانے کی قیمت وصول کرسکتی ہے۔ مذہب میں بیوی کے نان ونفقہ کا ذمہ دار خاوند ہے چنانچہ وہ اپنی بیوی کو پیداواری کام کیلئے مجبور نہیں کرسکتا ہے۔ پس اسلام میں خاتون خانہ اپنے گھر

غلام ہے نہ مزدور اور نہ ہی کارکن بلکہ ماں ہے بیوی ہے بہن ہے اور بیٹی ہے ہماری روایات کے مطابق بیٹی مصیبت ہے جب کہ اسلام میں مطابق فرمان رسولؐ اسلام میں بیٹی رحمت ہے۔

ماں، جنت ماں کے قدموں میں ہے۔

بیوی، لباس ہے اور پھول کی خوشبو ہے۔

ماں کا عاق شدہ فرزند جہنمی ہے۔

پردہ (حجاب)

قرآن پاک میں تمام مومن اور مسلمان خواتین سے کہا گیا ہے خواتین اپنے آپ کو بنا سنوار کر اپنے حسن کی نمائش کیلئے نامحرم مردوں کے پاس نہ جائیں فقہائے اسلام کے پاس پردے سے مراد چہرہ ہاتھ اور پاؤں کے علاوہ جسم کا کوئی حصہ ننگا نہ ہو اور بال بھی مستور ہوں شرعی پردے کے ساتھ خواتین کاروبار زندگی میں مکمل حصہ لیتی ہیں لہٰذا پردہ شرعی خواتین کی ترقی میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہے۔ بعض خواتین جن کا ذکر ہو چکا ہے وہ شرعی پردے کو بدنام کر کے حسینہ عالم بنے کیلئے نت نئے فیشن کے ساتھ منظر عام پر آنا چاہتی ہیں۔

اب سماجی تبدیلی کو ہم اس طرح نہیں روک سکتے ہیں لیکن ہماری خواہش ہوگی اور اسی ضمن میں کوشش بھی ہوگی کہ سماجی تبدیلی مثبت سمت میں ہو اس لئے ہمیں آنحضورؐ کے اسوہ حسنہ پر چلنا ہوگا آپؐ نے عرب ثقافت سے الگ کوئی خواتین کیلئے لباس نہیں دیا۔ یعنی نہ لباس میں تبدیلی لایا نہ رہن سہن میں اور نہ طرز تعمیر میں البتہ آپؐ نے فکری انقلاب لایا۔ عرب قبائل پہلے بھی ذوالحجہ کے مہینے میں کعبۃ اللہ کا حج بجالاتے تھے لیکن مرکزیت بتوں کو حاصل تھی کعبہ کو مرکز توحید بنایا اسی طرح خواتین سے یہ کہا گیا کہ نامحرموں کیلئے بن سنور کر نمائش مت ہو۔ قربانی بتوں کے نام پر جانور ذبح ہوتے تھے۔ اب اللہ کے نام پر ذبح ہونے لگے۔ پہلے غسل جنابت کو شیاطین بدرضیں

اور نحوست کو اتارنے کیلئے کیا کرتے تھے لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد غسل بطور وضو برائے نماز قربتاً اللہ کرنے لگے۔ قبل اسلام بیٹی کا پیدا ہونا خاندان کیلئے باعث شرم تھا اب بیٹی اللہ کی رحمت بن گئی اور جنت ماں کے قدموں میں پایا بقول علامہ اقبال " وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ ۔ مختصراً ایک فکری انقلاب برپا ہوا۔ جس سے عرب جاہلیت کی تمام بے روح قدروں میں تبدیلی آگئی ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اسلامی قدروں کو اپناتے ہوئے عورت کو غلام نہیں، کنیز نہیں، دایہ نہیں، کارکن نہیں، بکاؤ مال نہیں بلکہ وہ آزاد ماں، بہن اور بیوی (شریک حیات) سمجھیں اور وہی سلوک روا رکھیں تب ہماری خواتین فاطمہؑ کی سیرت پر چلینگی ورنہ ہماری خواتین حسینہ عالم کی سیرت پر چلنے کی کوشش میں گرفتار ہونگی۔

مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؑ   مادراں را اسوۂ کامل بتولؑ

سیرتِ فرزند ہا از امہات   جوہرِ صدق و صفا از امہات

مثالی خواتین

حضرت سارہ کو بادشاہ مصر نے حضرت ہاجرہ بطور کنیز دی تھی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے اپنے شوہر حضرت ابراہیم علیہ اسلام کو بخش دی تھی تاکہ بیٹے کے وجود سے گھر میں رونق پیدا ہو چنانچہ حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت ابراہیم کا ایک بچہ پیدا ہوا جسکا نام اسمٰعیل رکھا گیا۔ چونکہ حضرت سارہ انہیں نہ دیکھ سکیں لہٰذا حضرت ابراہیم سے درخواست کی کہ ہاجرہ اور اسکے بچے کو میری آنکھوں سے دور لے جائیں یہ تقدیر کا نوشتہ ہے ورنہ حضرت سارہ نے لڑکے کی تمنا میں حضرت ہاجرہ کو خود ہی حضرت ابراہیم علیہ اسلام کو بخش دیا تھا۔نوشتہ و تقدیر تھا کہ مستقبل میں حیرت انگیز اور سبق آموز حوادث وجود میں آئینگے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم بی بی ہاجرہ اور اپنا نور نظر اسمٰعیل کو لیکر حجاز کی سرزمین کی طرف روانہ ہوئے خدا کی راہ نمائی کے مطابق آپ خانہ کعبہ کے پاس بیٹھ گئے۔اس وقت کعبہ کی تعمیر نہیں ہوئی تھی اور نہ آبادی تھی بلکہ بے آب وگیاہ بیابان تھا۔ وہاں پر کوئی جاندار کا نام و نشان نہیں تھا پس حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے یوں دعا مانگی "پروردگار میں نے اپنی ذریت میں سے بعض کو تیرے محترم گھر (خانہ کعبہ) کے پاس بے آب و گیاہ آبادی میں رکھ دیا ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں لہٰذا لوگوں کے دلوں کو انکی طرف موڑ دے اور انہیں پھلوں کا رزق عطا کرتا کہ وہ تیرے شکر گزار بن جائیں"۔

سارہ نے حضرت ابراہیمؑ سے درخواست کی تھی کہ ہاجرہ اور اسمٰعیلؑ کو چھوڑ کر سواری سے اُترے بغیر واپس لوٹ آجائیں چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو خانہ کعبہ کے پاس جسکے کھنڈر باقی تھے اُتارا اور کچھ خوارک و پانی کے ساتھ بے آب و گیاہ لق ودق صحرا میں چھوڑ کر واپس لوٹا حضرت ہاجرہ کا دل ٹوٹ گیا اردگرد صفا و مروہ کے چھوٹے چھوٹے پہاڑ نہ پانی نہ سایہ دار درخت نہ سبزہ آسمان دور زمین سخت یہاں پر ایک خاتون اپنے نوزائدہ بچے کے ساتھ کیا کرے۔خوف کا عالم ہے اردگرد کا ماحول اجنبی بیابان کی وحشت ایک طرف تنہائی اور بے کسی دوسری طرف اور اگر تنہائی اور بے کسی کو برداشت بھی کر لیا جائے تو کھانا اور پانی کہاں سے

لائیں اور اپنے شیر خوار بچے کو کیسے پالیں بس ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کا دامن پکڑے یا وہ ہاجرہ اور اسمٰعیل کے ساتھ بیٹھے یا پھر انکو اپنے ساتھ لیجائے ۔پس حضرت ہاجرہ حضرت ابراہیمؑ سے لپٹ گئیں ۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے یہ کہا کہ یہ اللہ کا حکم ہے اسکی اطاعت کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تب حضرت ہاجرہ کو معلوم ہوا کہ یہ کام ابراہیمؑ کا ذاتی نہیں بلکہ یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے ہو رہا ہے تو اس نے خدا سے لو لگا لیے اور سر تسلیم خم کر دیا اور لطف خداوندی پر اعتماد کر کے ابراہیمؑ کی سواری کی لگام چھوڑ دی اور سمجھ گئی کہ اللہ اسکا مددگار ہوگا۔

حضرت ابراہیمؑ واپس لوٹا اور دھیرے دھیرے آنکھوں سے اوجھل ہو گیا رفتہ رفتہ سورج کی تپش بڑھتی گئی ریت اور پتھروں کو دہکتی بھٹی جیسا بنا دیا اور انکا پانی ختم ہو گیا اگرچہ ابراہیمؑ کے لیے اپنے اکلوتے بیٹے اور اپنی وفا شعار بیوی صحرا میں تنہا چھوڑ کے جانا کوئی آسان بات نہ تھی یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا ہے کہ اللہ کی مرضی اور مشیت کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے بس اللہ ہی کارساز ہے اپنی مشیت سے وہ خود ہی واقف ہے۔

حضرت ہاجرہ کے پستان میں دودھ خشک ہو گیا بچہ رو رہا ہے حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں صفا و مروہ کے درمیان اِدھر سے اُدھر اور پھر اِدھر سے اُدھر دوڑتی ہے اس لیے کہ اسکے بچے کو جلد از جلد پانی پلانا ہے جس چیز کو وہ پانی سمجھ کر اس طرف دوڑتی تھی وہ پانی نہیں بلکہ سراب تھا اس طرح سات مرتبہ دوڑیں ۔اللہ کو حضرت ہاجرہ کی یہ ادا پسند آئی چنانچہ اس ادا کو زندہ پائندہ رکھنے کیلئے مناسک حج میں اسکو رواج دیا اب جب حاجی صاحبان مناسک حج ادا کرتے ہیں تو حضرت ہاجرہ کی پیروی کرتے ہوئے صفا و مروہ کے درمیان سات دفعہ سعی کرتے ہیں یعنی دوڑتے ہیں ۔ رفتہ رفتہ بچے کی سانس رکنے لگی چہرہ کا رنگ زرد پڑ گیا اور ہونٹ خشک ہو گئے ماں نے بچے پر کپڑا اڑا لا تا کہ وہ اپنے لخت جگر کو جان دینے کا منظر نہ دیکھ پائے موت نہ صرف شیر خوار بچہ بلکہ حضرت ہاجرہ کے سر پر منڈلا رہی تھی پانی کی تلاش میں دوڑتی بھاگتی خاتون اب تھک چکی تھی اب صرف حضرت ہاجرہ کو موت کے سوا بچاؤ کے تمام ظاہری سامان ختم ہو چکے تھے لیکن اللہ سے ناامید نہیں تھی اسی دوران جب ہاجرہ کی نظر بچے پر پڑی تو دیکھا پانی کا چشمہ

پھوٹ پڑا ہے۔ حضرت ہاجرہ نے پیاس سے نجات پالیا لیکن پھر بھی زندہ رہنے کے لیے خوراک کی ضرورت تھی۔

چونکہ عربستان (حجاز) میں پانی کی سخت قلت ہے یہاں کے قبائلوں کی زندگی بارشی تالابوں کی تلاش میں بسر ہوتی ہے یہ حالت وہاں کے چرند و پرند کی بھی ہے وہ بھی پانی کی تلاش میں گردش میں مصروف رہتے ہیں جب زم زم کا چشمہ پھوٹا تو اس طرف پرندے متوجہ ہوئے جیسا کہ شیخ سعدی نے فرمایا ہے۔

کس نہ دیدہ است کہ تشنگان حجاز بہ لب آب شور گرد آیند

ہر کجا کہ بود چشمہ شیرین مردم و مور و ملخ گرد آیند

آج تک حجاز کے پیاسوں کو کھارا پانی کے اردگرد کسی نے نہیں دیکھا ہے البتہ جہاں کہیں بھی میٹھے پانی کا چشمہ اُبلتا ہے تو اسکے گرد لوگ اور مور و ملخ جمع ہوتے ہیں۔

عرب قبائل پرندوں کے منڈلانے سے پانی کا سراغ لگاتے تھے چنانچہ اس چشمہ کی طرف پرندوں کی آمد ورفت نے بنی جرہم کو چشمہ سے آگاہ کیا۔ انہوں نے چند آدمیوں کو مقرر کیا تاکہ وہ ماجرے کا سراغ لگائیں ان لوگوں نے قبیلہ جرہم کو اطلاع دی کہ واقعی ایک چشمہ پھوٹ پڑا ہے پس جرہم کے چند خاندان آئے اور چشمہ زم زم کے قریب سکونت پذیر ہو گئے سکونت پذیر ہونے سے قبل انہوں نے ماں اور بچے کی بابت معلومات حاصل کیں ہاجرہ نے اپنا تعارف کرایا کہ وہ حضرت ابراہیم کی کنیز اور بچہ اسکا بیٹا ہے جرہم والوں نے حضرت ہاجرہ کی اجازت سے وہاں سکونت اختیار کی اس طرح اللہ نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو زندہ رہنے کے اسباب فراہم کئے لہٰذا ہمیں اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور کسی صورت میں مایوس نہیں ہونا چاہیے لہٰذا جو لوگ اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں وہ کبھی مایوس نہیں ہوتے ہیں جب مایوس نہیں ہوتے ہیں تو وہ حوادث زمانہ کے ساتھ مردانہ وار مقابلہ کرنا جانتے ہیں پس اسی کا نام زندگی ہے نیز زندگی عبارت ہے ماحول اور مدمقابل دشمن کے ساتھ مقابلے کا جو جانور پودے اور انسان ماحول اور مدمقابل دشمن کا

مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں وہ زندہ رہنے کا اپنا فطری حق کھو دیتے ہیں۔

حضرت آمنہؑ رسولؐ کی والدہ ماجدہ

وہب نے اپنی بیوی سے کہا، آج عبدالمطلب کے جوان اور خوب رو بیٹے عبداللہ نے یہودیوں کے خلاف ایک ایسا کارنامہ دکھایا کہ انکو دیکھ کر میں انگشت بدندان رہ گیا، یہودی ایک سازش کے تحت عبداللہ کو قتل کرنا چاہتے تھے جس کے لیے عبداللہ پر اچانک حملہ کیا لیکن عبداللہ کی جوان مردی کے سامنے مغلوب ہوئے ایسا حسین وجمیل جوان مرد میں نے کہیں نہیں دیکھا تم انکے والد کے پاس جاؤ اور اپنی بیٹی کا رشتہ عبداللہ کے لیے پیش کرو وہب کی بیوی نے کہا عرب کے دولتمند سرداروں نے اپنی بیٹیوں کے لیے عبداللہ کا رشتہ مانگا تھا لیکن عبدالمطلب نے قبول نہیں کیا ہے کیا انکے باوصف عبداللہ ہماری بیٹی کا رشتہ قبول کریگا؟ پھر بھی تم کو نا امید نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ میں نے انکے خاندان والوں کو یہودیوں کے حملے کی خبر دی ہے لہذا انکی نظروں میں میرا احترام ہے ہو سکتا ہے اس وجہ سے عبداللہ کے لیے ہماری بیٹی قبول کریں۔ وہب کی بیوی نے نیا لباس زیب تن کیا اور عبدالمطلب کے گھر گئی اس دوران عبدالمطلب اپنے بیٹوں کے ساتھ یہودیوں کے بزدلانہ حملہ کے بارے میں محو گفتگو تھا اور وہب کے انکے خاندان پر احسان کی بھی بات ہوئی عبدالمطلب نے وہب کی شریک حیات سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ تمہارے شوہر وہب نے ہمارے خاندان پر بڑا احسان کیا ہے جسکو ہم کبھی نہیں بھول سکتے ہیں اس گفتگو سے زوجہ وہب کو کچھ امید ہوئی چنانچہ وہب کی زوجہ نے کہا " مجھے معلوم ہے کہ شام و عراق اور دوسری جگہوں کے روسا کی لڑکیاں عبداللہ کے حبالہ نکاح میں آنے کو اپنے لئے باعث افتخار سمجھتی ہیں کمال عقیدت و اشتیاق کے ساتھ ہماری درخواست یہ ہے کہ عبداللہ کا نکاح ہماری بیٹی سے کرلیجیے میں درخواست لیکر آپ کے پاس آئی ہوں عبداللہ کی شخصیت ہمیں بہت زیادہ محبوب ہے ہم جانتے ہیں کہ مالی لحاظ سے ہم دوسروں کی برابری نہیں کر سکتے ہیں لیکن ہمیں امید ہے کہ عبداللہ ہمارے اس امید کو کبھی رد نہیں کریگا۔ وہب کی بیوی کی بات سن کر عبداللہ کے چہرے کی طرف نگاہ ڈالی کیونکہ پہلے جب بھی بڑے لوگوں کی لڑکیوں سے رشتہ کی بات چلی تھی تو عبداللہ نے چہرے پر

ناگواری کے آثار نظر آتے تھے "عبدالمطلب نے اپنے بیٹے سے کہا بیٹا تمہارا کیا خیال ہے؟ خدا کی قسم مکہ کی لڑکیوں میں اس سے زیادہ پاک دامن اور باعصمت لڑکی نہیں ہے۔ وہ باوقار پاکیزہ عقلمند اور دیندار ہے۔ پاک دامن اور باتقویٰ جوانوں کی ہمسری کے لیے ایسی ہی لڑکیاں موزوں ہیں عبداللہ خاموش رہے عبدالمطلب عبداللہ کی خاموشی سے سمجھ گئے کہ اس رشتہ سے راضی ہیں اس لیے وہب کی بیوی نے کہا مجھے تمہاری بات قبول ہے اور تمہاری لڑکی کو عبداللہ کے لئے نامزد کرتا ہوں عبداللہ کی والدہ عبدالمطلب کی شریک حیات فاطمہ نے وہب کی بیوی سے کہا میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں تاکہ نزدیک سے آمنہ کو دیکھ لوں۔ اگر لائق ہوگی تو موافقت کروں گی یہ بات طے ہوگئی تھی کہ عبداللہ کی شادی آمنہ سے ہوگی لڑکی والے خصوصاً اسکے والدین بہت خوش تھے کہ انکو عبداللہ جیسا داماد مل رہا ہے ابھی عبداللہ کی والدہ فاطمہ نے آمنہ کو قریب سے دیکھنے کے لیے گھر آنا ہے ایسا نہ ہو کہ عبداللہ کی ماں کو آمنہ پسند نہ ہو۔ لہٰذا وہب کی بیوی نے اپنی بیٹی آمنہ کو نیا لباس پہنایا اور زیورات سے سجایا۔ فاطمہ وہب کے گھر داخل ہوئی آمنہ ادب و احترام کے ساتھ انکی تعظیم کیلئے کھڑی ہوگئی۔ فاطمہ اپنی ہونے والی بہو کے حسن و جمال کی شیفتہ ہوگئی آمنہ کی والدہ سے کہا میں نہیں جانتی تھی کہ تمہاری بیٹی (آمنہ) اتنی حسین اور باوقار ہے پہلے میں نے کئی دفعہ آمنہ کو دیکھا تھا۔ لیکن اسکے کمالات کی طرف متوجہ نہیں ہوئی تھی فاطمہ نے آمنہ سے کچھ باتیں کہیں تو آمنہ کو ایسی شیریں سخن اور شائستہ پایا جسکی نظیر مکہ میں نہیں فاطمہ بہت خوش تھیں چنانچہ اپنے خاوند عبدالمطلب اور بیٹا عبداللہ سے کہا کہ آمنہ جیسی لڑکی عربوں میں نہیں ہے۔

وہب نے عبدالمطلب سے کہا میری بیٹی آپکے بیٹے عبداللہ کیلئے ہدیہ ہے مجھے کسی قسم کی مہر کی ضرورت نہیں ہے خدا آپکو جزائے خیر دے لڑکی کا مہر ہونا چاہئے اور ہمارے عزیزوں میں سے بعض کو گواہ بھی ہونا چاہیے پس عبدالمطلب نے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو بلایا سب نے نئے کپڑے پہن لئے جس سے ایک پرشکوہ محفل بن گئی اس کے بعد عبدالمطلب نے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا لیا خدا کی نعمتوں پر ہم اسکی حمد و ثنا کرتے ہیں اس نے اپنا گھر (کعبہ) کا ہمیں ہمسایہ قرار دیا اور اپنے حرم میں ہمیں سکونت عطا کی لوگوں کے دلوں میں ہماری محبت ڈالی ہمیں آفتوں سے محفوظ رکھا ہمیں نکاح کے ذریعے حرام سے دور رکھا لوگو میرا بیٹا عبداللہ معین مہر پر آمنہ سے نکاح

کرنا چاہتا ہے کیا تم راضی ہو وہب نے کہا ہم راضی ہیں عبدالمطلب نے حاضرین کو گواہ قرار دیا اس پروقار اور پرشکوہ جشن میں سب نے خوشی منائی اور عبدالمطلب نے سب کو شادی کا ولیمہ دیا جسکا سلسلہ چار روز تک جاری رہا ولیمہ میں صرف اہل مکہ شریک نہیں تھے بلکہ اردگرد کے مضافات کے لوگوں نے بھی ولیمہ میں شرکت کی۔ آمنہ شوہر کے گھر چلی گئیں کچھ عرصہ کے بعد ایک ایسے بچہ سے حاملہ ہوئیں کہ جو آئندہ دنیا کو کمال وسعادت کی طرف دعوت دیگا۔ خدا کا ارادہ تھا کہ آدم کی پیدائش سے پہلے ہی آمنہ کے بیٹے کا نام آسمانوں میں احمدؐ زمین پر محمدؐ اور جنت میں ابوالقاسمؐ ہو نیز اسکی قضا وقدر میں ثبت تھا کہ یہ عظیم بچہ دنیا میں آنے سے پہلے والد کے سایہ سے محروم ہوجائیگا اور اس کا بچپن یتیم بچوں جیسا گزرے گا شوہر نامدار کے بعد آمنہ بھی عرصہ دراز تک زندہ نہ رہیں چنانچہ محمدؐ 7 سال کے ہوئے تھے تو آمنہ نے دنیا کو خیرباد کہا۔ ہمارے معاشرے میں لڑکی کا رشتہ پیش کرنا معیوب ہے اگر ہم اس رواج کو اپنائیں اور ہم بھی اپنی لڑکیوں کا رشتہ پیش کرنا شروع کریں تو ہمارے سماجی مسائل کے حل میں یہ رواج ممد ومعاون ثابت ہو سکتا ہے۔

حضرت خدیجہؑ زوجۂ رسولؐ

رسولؐ اکرم کے مدینہ ہجرت کرنے سے ۲۸ سال قبل حضرت خدیجہ نے ایک شریف وبافضیلت خاندان میں آنکھ کھولی۔ بہترین طریقے سے پرورش ہوئی عقل اور دور اندیشی اور عفت وپاک دامنی کے لحاظ سے اپنے خاندان اور رشتہ داروں میں بے نظیر سمجھی جاتی تھی بہت مالدار تھیں بہت سے لوگ انکے لئے تجارت کرتے تھے خدیجہ کا تجارتی قافلہ قریش کے تمام تجارتی قافلوں کی برابری کرتا تھا خدیجہ کو معلوم ہوا کہ محمد سچے امین ہیں۔ اور خوش خو ہیں اور ابو طالب نے اس سے یہ پیشکش کی ہے کہ غربت ومفلسی کو دور کرنے کے لیے چچا کی مدد کریں اور حضرت خدیجہ کے مال سے تجارت کریں۔

حضرت خدیجہ نے کسی کو محمدؐ کے پاس بھیجا اور یہ پیشکش کی کہ تجارت کے لیے میرا مال لیکر شام چلے جائیں اور رسولؐ نے حضرت خدیجہ کی پیشکش قبول کی اور مال لیکر خدیجہ کا غلام

میسرا کے ساتھ شام چلا گیا وہاں مال فروخت کیا اور خریداری کر کے واپس مکہ لوٹے رسول اسلامؐ کے اس اولین سفر میں بہت فائدہ ہوا بعد والے سفر میں خدیجہ نے زیادہ مال دیا جب بھی میسرا سفر سے واپس آتا تو محمدؐ کے فضائل اور کرامات سے خدیجہ کو آگاہ کرتا اس سے حضرت خدیجہ پیغمبر اسلام کی شیفتہ ہو گئیں آخر کار خدیجہ نے محمد کے ساتھ شادی کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور کسی کے ساتھ محمد کو یہ پیغام بھیجدیا ابن عم میں آپکے ساتھ قرابت داری اور آپ کے فضائل امانتداری حسن خلق اور راست گوئی کی بنا پر آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں رسولؐ نے یہ بات اپنے چچاؤں سے نقل کی۔ اسمیں سے چند اشخاص حضرت ابوطالب کی قیادت میں خدیجہ کے چچا عمرابن اسد بقو خویلد ابن اسد کے گھر گئے حضرت ابوطالب نے اس طرح گفتگو کا آغاز کیا "تمام تعریفیں اس خدا سے مخصوص ہیں جس نے ہمیں ابراہیمؑ واسماعیلؑ کی نسل میں قرار دیا اور ہمیں کعبہ کی ہمسایگی اور اپنے حرم کے امن میں سکونت عطا کی لوگوں کے درمیان ہمیں عزت و شرف بخشا۔ اور اس سرزمین کو ہمارے لئے بابرکت بنایا ہماری آمد کا مقصد یہ ہے کہ میرا بھتیجا ایک تندرست جوان ہے لیکن عزت و شرف کے لحاظ سے تمام قریش پر برتری رکھتا ہے وہ خدیجہ کا خواستگار ہے اور خدیجہ بھی اسکی طرف راغب ہے جتنا مہر ہوگا میں اپنے مال سے دونگا خدا کے نزدیک اسکی بڑی عظمت ہے اور اسکا مستقبل بڑا تابناک ہے خواستگاری اور نکاح کے رسوم ادا ہو گئے اور 20 اونٹ مہر کے ادا ہو گئے حضرت خدیجہ محمدؐ کے حبالہ نکاح میں آگئیں۔ نکاح کے وقت محمدؐ کی عمر ۲۵ اور خدیجہ کی عمر ۴۰ سال بقولے ۲۸ سال تھی آپ رسولؐ کی پہلی بیوی آپکی زندگی میں رسولؐ نے دوسری شادی نہیں کی۔ مبعوث بہ رسالت ہونے سے قبل حضرت خدیجہ کے بطن سے فاطمہؑ زہرا قاسم اور عبداللہ پیدا ہوئے رسول اکرمؐ پر سب سے پہلے ایمان لائیں اور ہر طرح سے حضرت محمدؐ کی حمایت کی اور اپنی پوری دولت راہ خدا میں صرف کیا جب مشرکین مکہ آپ کو ستاتے تو گھر میں آپکی باوفا شریک حیات آپکی غمگساری کرتی تھیں اور آپکو دلاسہ دیتی اور حوصلہ افزائی کرتی اور آپ کو استقامت و ثابت قدمی کی تشویق دلاتی تھیں آپ نے سب سے پہلے رسول اکرمؐ کے ساتھ نماز ادا کی رسول کی نسل آپکی بطن سے چلی۔ آپ ورحمت اللعالمین کی شریک حیات آپکی بیٹی فاطمہ خاتون جنت نے آپکا داماد مولا علی خیبر شکن، آپکے نواسے حسنؑ اور حسینؑ سرداران جوانان

جنت اور آپکی نواسیاں زینب کبریٰ و زینب صغرا آپ اور حضرت عبد المطلب کا وصال ایک ہی سال میں ہوا اس سال کو رسول اکرمؐ نے عام الحزن سے یاد فرمایا یعنی غم کا سال ایک اچھے رشتے کے لیے اگر لڑکی والے لڑکے کا رشتہ مانگیں تو عین مناسب ہے جیسے حضرت آمنہ کا رشتہ اور حضرت عبد اللہ سے حضرت خدیجہ الکبریٰ کا رشتہ آنحضورؐ سے طے پایا ہمارے یہاں صرف لڑکے والے ہی لڑکی کا رشتہ کا رواج ہے لڑکے کا رشتہ مانگنا معیوب سمجھتے ہیں۔

حضرت فاطمہ بنت اسد

حضرت علیؑ کی والدہ بنی ہاشم میں آپ پہلی عورت ہیں جس کی ماں اور باپ دونوں بنی ہاشم ہیں آپ چار بیٹوں۔ عقیل، جعفر، طالب علی اور ایک بیٹی ام ہانی کی ماں ہیں۔ ایک روز کچھ لوگ مسجد الحرام میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے کہ فاطمہ بنت اسد آئیں اور کعبہ کے سامنے کھڑی ہو گئیں اور خدا سے دعا کرنے لگیں اے اللہ میری مشکل آسان کر دے۔ حضرت فاطمہ بنت اسد حاملہ تھیں اور انکے حمل کے دن پورے ہوئے تھے درد زہ کے آثار نمایاں تھے۔ تھوڑی دیر نہیں گزری تھی کہ کعبہ کی دیوار شق ہو گئی اور اسمیں اتنا شگاف پڑ گیا کہ جس میں سے آدمی آسانی سے داخل ہو سکے حضرت فاطمہ نے خود کو اللہ کے پناہ میں محسوس کیا۔ لہٰذا کعبہ کے اندر چلی گئیں اور شگاف بند ہو گیا اس واقعہ کو دیکھ کر ان لوگوں کو بہت تعجب ہوا جو وہاں بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے حالت معلوم کرنے کے لیے خانہ کعبہ کا قفل کھولنے کی کوشش کی قفل نہ کھلنا تھا اور نہ کھلا لیکن ماجرے کے نتیجہ کا منتظر رہے۔ چار روز گزرنے کے بعد دیکھا کہ فاطمہ بنت اسد نوزائدہ بچہ کو گود میں لیے کعبہ سے باہر نکلیں آپ حضرت ابو طالب کے رحلت کے بعد بھی زندہ رہیں۔ اسلام قبول کرنے والوں میں آپ کا نمبر گیارواں ہے۔ جب آپ نے رحلت فرمایا تو رسول اکرمؐ نے اپنا عمامہ اور اور پیراھن کا کفن دیا ساتھ ہی آپکو دفن کرنے سے پہلے آپ قبر میں اترے اور ذرا دیر لیٹنے کے بعد قبر سے باہر آئے اور حضرت فاطمہ کے جسد خاکی کو سپرد خاک کیا۔

یہ وہ خاتون ہیں جسکے لیے خانہ کعبہ کی دیوار شق ہوئی اور رسول اکرمؐ نے اپنے عمامے

اور پیراہن کا کفن دیا اور خود رسول اکرمؐ انکی قبر میں دفن سے پہلے لیٹ گئے۔ آپکو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ ہمیشہ رسول اکرمؐ آپکو ماں کہہ کر پکارتے تھے۔

حضرت فاطمہ زہراؑ حضرت رسول اکرمؐ کی بیٹی

آپکی ولادت کے بارے میں مورخوں میں اختلاف ہے بعضوں کا بیان ہے کہ آپکی ولادت بعثت سے پانچ سال پہلے ہوئی جبکہ بعض کہتے ہیں کہ بعثت کے 5 سال بعد آپکی ولادت ہوگئی اور بعض مورخین کا خیال ہے کہ آپکی ولادت باسعادت بعثت کے سال ہوئی جناب

ام المومنین حضرت خدیجہؑ کی سب سے چھوٹی اولاد تھی۔

سیرت نگار اور محدثین دختر رسولؐ کے چند القابات کا ذکر کرتے ہیں۔ زہرا طاہرہ راضیہ، مرضیہ مبارکہ اور بتول ہے لقب زہرا زیادہ مشہور ہے اور کبھی کبھی ان کے نام کے ساتھ آتا ہے یعنی فاطمہ زہرا یا عربی ترکیب میں فاطمۃ الزہرا عرف میں انکے نام کے بجائے زہرا استعمال ہوتا ہے لغت کے اعتبار سے زہرا لفظ درخشندہ روشن اور انکے مترادف معنوں کا حامل ہے جس دن آپ نے اپنا فرض سمجھا تھا اس دن سے لیکر آج تک وہ اسلامی تربیت کی پیشانی پر گوہر کی مانند درخشندہ ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ صورت میں اپنے باباؐ کے مشابہ تھیں اور چال میں بھی مشابہت رکھتی تھیں حضرت فاطمہؑ کی پرورش نبوت کے گھر میں ہوئی وہ اس گھر میں پروان چڑھیں جو فرشتوں کی آماجگاہ اور مرکز نزول وحی و آیات قرآن تھا تعلیم و تربیت اپنے پدر بزرگوار حضرت رسول خداؐ سے حضرت فاطمہؑ نے پائی وہ گھر میں اکیلی تھی اور انہوں نے اپنا بچپن تنہائی میں گزارا گھر میں کھیلنے کے لیے انکی ہم جولی نہ تھی بس اللہ اکبر کی تعلیم پھر اشھد ان محمد رسول اللہ کا درس آہستہ آہستہ دوسری آیات نازل ہوئیں اور دروس میں وسعت آتی گئی قرآنی اخلاق انسانی عادات و اطوار اور اقدار کے حصول کی تعلیمات اور یہ کہ تمام لوگ اللہ اور اسکے قانون کے سامنے برابر ہیں کسی کو دوسرے پر کوئی برتری حاصل نہیں خدا کے حضور آقا اور غلام مساوی ہیں۔ تمہارا فرض ہے کہ غلاموں کے ساتھ قیدیوں کے ساتھ غریبوں اور مسکینوں

کے ساتھ مہربانی کرو اور ان سے خوش اسلوبی کے ساتھ پیش آؤ اپنی لڑکیوں کو لڑکوں کی طرح سمجھو اور انکے ساتھ سختی سے پیش مت آؤ۔ ان تعلیمات کے حصول میں جوش و جذبے کے ساتھ ساتھ حضرت فاطمہؑ نے اپنے باپ کے ساتھ رشتہ داروں اور مکہ والوں کی دشمنی کو بھی دیکھا وہ لوگ ان تعلیمات کو پسند نہیں کرتے تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان احکامات اور تعلیمات سے لوگ آگاہ ہوں جو اس سے پہلے سنی نہ دیکھی گئی تھیں ان تعلیمات کے پھیلنے سے انکی زندگیوں کو درہم برہم کر دیا تھا انہوں نے اپنا ڈر اور خوف چھپانے اور اپنے خیال میں ان تعلیمات کے اثرات زائل کرنے کے لیے آپؐ پر تہمتیں لگائیں کہ آپؐ جادوگر ہیں۔ دیوانے ہیں کہاں ابو طالب کا یتیم بھتیجا اور کہاں پیغمبری یہ وحی مکے اور یثرب کے کسی بڑے امیر آدمی پر کیوں نازل نہیں ہوئی وغیرہ مکہ کے سرداروں کو یہ ڈر تھا کہ آپؐ کو اگر قتل کر دیں تو بنی ہاشم سے لڑائی مول لینا ہوگی لہٰذا انکے پیروکاروں کو منتشر کر دیا جائے چھوٹے شہر میں خبریں بڑی تیزی سے پھیلتی ہیں خاتون جنت کے باباؐ کا گھرانہ ان دنوں ایسے ہی واقعات اور خبروں کے انعکاس کا مرکز تھا مثلاً حضرت بلالؓ کو شکنجے دینے کی خبریں آج حضرت عمارؓ کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا آج حضرت عمارؓ کی ماں کو شہید کر دیا گیا آج ابو جہل یہ کہہ رہا تھا آج ابو لہب یہ کہہ رہا تھا روزانہ اس قسم کی روح فرسا خبریں آتیں یہاں تک کہ انہوں نے باباؐ کے حکم سے حبشہ کی طرف ہجرت کی چونکہ انکا باباؐ مسلمانوں پر اس قدر ظلم و ستم برداشت نہیں کر سکتے تھے حبشہ کی طرف ہجرت کوئی آسان بات نہ تھی آخر انہوں نے اپنا گھر بار چھوڑ کر ایک اجنبی ملک کی طرف سفر کی مصیبتیں کیوں جھیلیں؟ اور اس طرف جائیں کیوں جس کے بارے میں یہ نہیں جانتے کہ وہ کہاں ہیں، جس سے پناہ طلب کریں اسکو وہ جانتے نہیں تھے اور اس کا طرز عمل کیسا ہے؟ جب مسلمانوں کی ایک جماعت نے حبشہ کی طرف ہجرت کیا تو مکہ تقریباً مسلمانوں سے خالی ہوا اور فاطمہؑ کے باباؐ کے پیروکاروں کی جدائی کوئی آسان معاملہ نہیں۔ درس و تدریس میں کمی آئی۔ تمام شاگرد مکہ سے روانہ ہوئے ایک دن فاطمہؑ نے سنا کہ انکے باباؐ جان پر اونٹ کی غلاظت پھینکی گئی ہے اور آپکے لباس مبارک کو گندگی سے آلودہ کر دیا گیا ہے۔ وہ فوراً اپنے والدؐ کے پاس پہنچی اور اپنے والد کے لباس کو پاک صاف کر دیا دوسرے دن آپ کو خبر ملتی ہے کہ بابا جان کے پاؤں پر پتھر مار کر پائے مبارک کو زخمی کر دیا ہے کفار

قریش نے سوچا کہ اگر محمدؐ کو قتل کر دیں تو بنی ہاشم کی دشمنی مول لینا ہوگی۔ لہذا تمام قبائل کے سرداروں نے ایک قرارداد پر دستخط کر دیئے۔ اور قرارداد کو کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیا سرداروں میں قرار پایا تھا۔ کہ بنی ہاشم کا حقہ پانی بند کیا جائے۔ جب تک محمدؐ اپنی تبلیغ رسالت سے باز نہیں آتے قریش کا یہ فیصلہ بنی ہاشم کے اقتصادی اور معاشرتی بائیکاٹ کی صورت میں رونما ہوا۔ شعب ابوطالب چنانچہ شہر کے قریب گھاٹی (شعب ابوطالب) کو شہر بدر کئے جانے والوں کیلئے منتخب کیا گیا انکے ساتھ خرید و فروخت اور ملنا جلنا بند کر دیا گیا یہاں تک کہ خوراک پوشاک اور ضروریات زندگی پہنچانے پر سخت پابندی عائد کی گئی مورخوں نے یہ مدت دو یا تین سال لکھی ہے اس دوران فاطمہؑ پر کیا گزری اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

ایک دن آنحضرت کو جبرئیل امینؑ نے خبر دی کہ جس قرارداد پر دستخط کر کے سرداران قریش نے کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیا تھا اس سے دیمک نے چاٹ لیا ہے لہذا شعب ابوطالب سے باہر نکلو پس آنحضرتؐ اور بنی ہاشم شعب ابوطالب باہر نکل آئے کفار قریش کو بڑا غصہ آیا اور انہوں نے بنی ہاشم کو سزا دینے کی ٹھان لی۔ چنانچہ کعبہ کے پاس جمع ہو کر قرارداد کو اتار کر پڑھنے کی کوشش کی چونکہ تمام تحریر دیمک چاٹ چکی تھی۔ اس لیے اس میں کچھ نہ پا کر نہایت شرمندگی کے عالم میں واپس اپنے گھروں کو لوٹے۔ عام الحزن (غم کا سال) شعب ابوطالب سے خلاصی کے بعد وقفے وقفے سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت ابوطالبؑ وفات پا گئے۔ حضرت ابوطالب بیرونی دشمنوں سے آپؐ کو بچاتے اور گھر میں ام المومنین حضرت خدیجہؑ آپکی دلجوئی میں مصروف رہتی تھیں۔ جب انکا انتقال ہوا تو اس سال کا نام آپؐ نے عام الحزن رکھا یعنی غم کا سال ام المومنین حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد انکی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی حضرت فاطمہؑ کو اٹھانا پڑا جب تک آن حضرتؐ نے دوسری شادی نہیں کی گھر کا پورا انتظام فاطمہ کو سنبھالنا پڑا آپ صرف گھریلو خدمات سرانجام نہیں دیتی بلکہ آپ نے باباؐ کی خدمت گھر سے باہر بھی کرتی تھیں۔ اپنے باباؐ کے ساتھ بعثت سے لیکر ہجرت تک اور غزوات سے لیکر خانہ مرتضیٰ علیؑ تک آپ نے اپنے باباؐ کے ساتھ سختیاں جھیلیں اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچانے اور انکو تعلیم و تربیت دینے میں برابر کی شریک رہیں جب آنحضرت طائف کے سفر میں پتھروں کے زخموں سے چور،

تھے اور آپکے جبین مبارک خون سے رنگین تھا تو حضرت فاطمہؑ نے ہی خون صاف کیا اور مرہم پٹی کی جب اُبوجہل نے آپ پر اونٹ کی غلاظت پھینکی تو آپ ہی نے غلاظت کو صاف کیا۔ الغرض گھر سے باہر ہو یا گھر کے اندر آپ نے پوری ذمہ داری کے ساتھ خدمات سرانجام دیں۔

والدہ کا انتقال نانا اُبو طالبؑ کا انتقال اسکے علاوہ باباؐ پر ہونے والے کفار قریش کے مظالم بابا کے پیروکاروں کو دیے جانے والے شکنجوں کی خبریں گھریلو ذمہ داریاں عبادت، ریاضت اب فاطمہ صرف فاطمہؑ نہیں بلکہ جناب خدیجۃ الکبریٰؑ عبداللہ عبدالمطلبؑ اور اُبو طالبؑ کی جانشین ہے۔ اسی لیے آنحضرتؐ نے فرمایا فاطمہؑ ام ابیھا اپنے باپ کی ماں ہے۔ بس ۱۷ سال کی عمر تک اپنے بابا کی مثالی خدمت کی جناب فاطمہؑ کو آنحضرت نے اپنی بیٹی ہونے کے حوالے سے یہ نہیں فرمایا بلکہ جس چیز نے حضرت فاطمہؑ کو اس بلندی تک پہنچایا وہ انکا ایثار، پارسائی، زہد و دانش اور دوسرے انسانی ملکات ہیں جو انہیں حد کمال تک پہنچے ہوئے تھے۔ تب ہی تو آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا۔ فاطمہؑ میرا بدن کا ٹکڑا ہے۔ جس نے فاطمہؑ کو غضبناک کیا اس نے اللہ کو غضبناک کیا جب کفار قریش نے دیکھا کہ ظلم وستم کے ہتھیار آن حضرتؐ پر کارگر نہیں ہوئے تو تمام قبائل کے سرداروں نے آنحضرت کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا اللہ تعالیٰ نے اس فیصلے کے خلاف آن حضرتؐ کو آگاہ کیا چنانچہ اللہ کے حکم سے رات کو آپ نے اپنے بستر پر حضرت علیؑ کو سلا کر خود مدینہ کی طرف روانہ ہوئے راستے میں حضرت اُبوبکرؓ بھی ملے اور دونوں غار حرا میں روپوش ہو گئے جسکا ذکر قرآن کریم میں بھی آیا ہے۔

حضرت عباس ابن عبدالمطلب کی معیت میں اپنے باباؐ کے حکم سے آپ نے بھی ہجرت کی اور مدینہ پہنچیں۔ سیرت نگاروں محدثین اور مورخوں نے اپنی اپنی تصانیف میں حضرت فاطمہؑ کا غزوات میں شریک ہونے زخمیوں کا مرہم پٹی کرنے اور پیاسوں کو پانی پلانے خاص کر اپنے باباؐ کی خدمت کا ذکر کیا ہے۔

مدینہ میں اب حضرت فاطمہؑ گھر میں اکیلی نہیں ہے بلکہ اب آن حضرتؐ نے شادیاں کی ہیں ان میں ام المومنین حضرت سودہ ہیں جو ہجرت سے ایک ماہ پہلے آنحضرتؐ کی

زوجیت میں آئی تھیں۔ انکے علاوہ ہجرت کے پہلے سال ماہ شوال میں ام المومنین حضرت عائشہؓ بھی آنحضرت کے حبالۂ نکاح میں آئی تھیں اب فاطمہؑ کے بابا کو غزوات کی مہمیں سر کرنا تھیں۔ چنانچہ آپؑ نے بھی مجاہدین اور اپنے بابا کے زخموں کی مرہم پٹی کی اور پیاسوں کو پانی پلایا۔

آپ کی منگنی

جب آپکی عمر ۱۳ یا ۱۹ سال (زیادہ معتبر ۱۹ سال) ہوئی یا اس سے پہلے بہتوں نے حضرت فاطمہؑ کا رشتہ مانگا آپ نے سب کو جواب دیا کہ اسمیں میری مرضی نہیں بلکہ اسکا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ نے کرنا ہے حضرت علیؑ سے روایت ہے۔ میں رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انکے سامنے خاموشی سے بیٹھ گیا کیونکہ ان جیسا مرتبہ و احترام کسی دوسرے کا نہیں تھا میری خاموشی دیکھ کر آپ نے پوچھا علیؑ کیسے تشریف لائے ہو؟ میں اسی طرح چپ چاپ بیٹھا رہا یہاں تک کہ آنحضرتؐ نے تین دفعہ اپنے سوال کو دھرایا پھر فرمایا گویا فاطمہؑ کی خواستگاری کے لیے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! آپؐ نے پوچھا میں نے جو زرہ تم کو دی تھی وہ کہاں ہے۔ حضورؐ وہ میرے پاس موجود ہے آپؐ نے فرمایا اسی زرہ کو فاطمہؑ کا حق مہر مقرر کرو چنانچہ حضرت علیؑ نے زرہ 400 درہم میں بیچا۔ رسول کی دختر کا حق مہر 400 درہم یا اس سے کم یا اس سے کچھ زیادہ تھا ایک روایت یہ بھی کہ آپ کا مہر 300 مثقال چاندی مقرر ہوئی تھی پس یہی کچھ اسکا سرمایہ تھا اس سادگی کے ساتھ علیؑ و فاطمہؑ کی منگنی کی رسم پوری ہوگئی۔

حضرت فاطمہؑ کا جہیز

☆ سات درہم قیمت کا ایک پیراہن

☆ خیبر کا بنا ہوا سیاہ اونی کمبل۔

☆ کھجور کے پتوں کا بنا ہوا ایک بستر

☆ مصری ٹاٹ کے دو گدے جسمیں سے ایک کھجور کی چھال اور دوسرا بکری کے بالوں سے بھرا ہوا اور چھٹے کنارے سوتی کتان کے بنے ہوئے تھے۔ طائف کے چمڑے کے تکیے جسمیں کی خوشبودار گھاس بھری ہوئی تھی۔

☆ ایک اون کا پردہ۔

☆ چکی۔

☆ کپڑے دھونے کے لیے ایک تانبے کا لگن۔

☆ دودھ دوہنے کے لیے ایک گہرا پیالہ۔

☆ پانی کے لیے چمڑے کی مشک۔

☆ ایک لکڑی کا کٹورہ۔

☆ تارکول جیسے مادہ سے بنا ہوا لوٹا۔

☆ سبز صراحی اور چند پیالے۔

جب جہیز آنحضرت کی خدمت میں لایا گیا تو آپؐ نے اسے دیکھنے کے بعد فرمایا اللہ تعالیٰ اہلبیت کو برکت عطا فرمائے اس کے بعد خطبہ نکاح ہوا۔

خطبہ نکاح

خطبہ نکاح پڑھنے کا وقت آپہنچا تو آپؐ نے خطبہ اس طرح سے پڑھا۔ حمد و ثنا اس پرودگار کی جس کی نعمتوں کی ستائش کی جاتی ہے جس کی قدرت اور طاقت کی پرستش کی جاتی ہے جس کی سلطنت میں اس کی فرمان برداری کی جاتی ہے جس کے عذاب کا ڈر اور خوف ہے جس کی عطا اور بخشش کے سب خواہاں ہیں اور زمین و آسمان میں اسکی حکومت کا سکہ چلتا ہے وہ ایسا خدا ہے جس نے مخلوقات کو اپنی قدرت سے خلق کیا ہر ایک کو اسکی صلاحیت و استعداد کے مطابق ذمہ

داری سوچی انسانوں کو اپنے دین کی وجہ سے بلندی عطا کی اپنے محمدؐ کے ذریعہ انہیں عزت و فضیلت سے نوازا خداوند تعالیٰ نے نکاح کو ایک دوسرے سے منسلک ہونے کا ذریعہ قرار دیا اور اسے واجب کیا اس نکاح کے ذریعے رشتہ داری کے سلسلے کو مضبوط فرمایا اسے لوگوں کے لیے نسب اور سبب کا رشتہ قرار دیا اور تیرا پروردگار تو اناہے پھر حضورؐ فرماتے ہیں اسی خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہؑ کو علیؑ کی زوجیت میں دیدوں اور میں نے چار سو مثقال چاندی حق مہر کے بدلے انہیں علیؑ کی زوجہ قرار دیا ۔ اے علیؑ کیا تم راضی ہو؟ جی ہاں یا رسول اللہؐ اس کے بعد فاطمہ حضرت علیؑ کی شریک حیات بن گئیں۔

ولیمہ

جس رات فاطمہؑ کی رخصتی تھی رسول اکرمؐ نے فرمایا اے علیؑ شادی طعام کے بغیر نہیں ہوتی سعید نے کہا میرے پاس ایک گوسفند ہے۔ انصار کے چند افراد نے کچھ کلو مکئی کا بندوبست کیا دوسری روایت میں یوں ذکر ہے کہ رخصتی کے وقت آن حضورؐ نے ایک زرین برتن عطا کیا اور فرمایا اسکی قیمت سے ولیمہ کا انتظام کرو حضرت علیؑ برتن بیچنے کیلئے محمد بن مسلم انصاری کے پاس گیا اور کہا اس برتن کے بدلے مجھے کھانے کا سامان دیدو اس نے قبول کیا اور پھر علیؑ سے پوچھا تم کون ہو علی ابن ابی طالب نے کہا پیغمبر اکرمؐ کا چچا زاد بھائی ہوں ہاں جی ہاں۔ یہ سامان کس لیے خرید رہے ہو اپنی دعوت ولیمہ کے لیے کس سے شادی کی ہے رسول خداؐ کی بیٹی سے اس انصاری نے کہا یہ خورد و نوش کا سامان بھی آپ کا اور یہ زرین پیالہ بھی رخصتی کے وقت رسولؐ پاک نے میاں بیوی کے لیے دعا فرمائی اے پروردگار اس عقد کو ان میاں بیوی کے لیے مبارک قرار دے خدایا انہیں بہترین اولاد دے۔

رخصتی

ایک دن حضرت عقیل آنحضورؐ کے گھر آیا اور آپ سے جناب فاطمہؑ کی رخصتی کے بارے میں گزارش کی شوہر کے گھر میں اب فاطمہ زہراؑ شوہر کے گھر جانے کے لیے تیار ہے اسکے

والد گرامی انہیں آخری سبق دیتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ میری بیٹی لوگوں کی طرف دھیان نہ دینا مبادا پریشان ہو جاؤ کہ تمہارا شوہر غریب ہے فقر دوسروں کے لیے باعث ذلت ہے لیکن پیغمبر اور انکے خاندان واہلبیت کے لیے افتخار ہے۔ میری بیٹی اگر تمہارا باپ چاہتا تو زمین کے خزانوں کا مالک بن سکتا تھا لیکن اس نے رضائے الٰہی کو اختیار کیا بیٹی جو کچھ تیرا باپ جانتا ہے اگر تو جان لے تو دنیا تیری نظروں میں بری لگنے لگے میں نے تیرے حق میں کوئی کوتاہی نہیں کی تجھے میں نے اپنے خاندان کے بہترین فرد کے سپرد کیا ہے۔ تیرا شوہر دنیا و آخرت میں عظیم ہے اے پروردگار فاطمہؑ مجھ سے ہے اور میں فاطمہ سے ہوں خدایا اس پر برائی اور ناپاکی سے دور رکھ فاطمہ خدا کی پناہ میں اپنے گھر جاؤ چنانچہ فاطمہؑ زہراؑ کو دلہن بنایا گیا اور چند خواتین کے ہمراہ اس سے باباؐ کے گھر سے نکالی جا کر اس کے شوہر کے گھر داخل کی گئی۔

اب غزوات کا وقت آیا اور آپ کے شوہر نامدار کو اپنی ذوالفقار کے جوہر دکھانے کا وقت آ گیا غزوہ خندق، غزوہ بدر، خیبر، احد، حنین، یکے بعد دیگرے فتح ہوئے جہاں ذوالفقار حیدری نے اپنی چمک دکھایا اور دنیا کو جنگی نعرہ حیدری کا تحفہ عطا کیا۔ وہاں آپ کی زوجہ نامدار نے اپنی عفت حیا ایثار شفقت کی چادر اپنے بابا کی امت کو دیا جو چادر زہراؑ کے نام سے مشہور ہے جہاں علی کی تلوار ذوالفقار حیدری مشہور ہوئی وہاں چادر زہراؑ نے شہرت پائی۔

جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے۔

وہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے　　　گلیم بوزر و دلق اویس و، چادر زہراؑ

اگر مومن مجاہد کا آئیڈیل حیدرؑ ہے اور شہید کا اعزاز نشان حیدر ہے تو مومن مجاہدہ کا سرمایہ افتخار چادر زہراؑ ہے۔ یعنی عفت کا نشان نشان زہراؑ قرار پایا تمام مورخ سیرت نگار اور محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت علی کی مالی حالات درست نہیں تھے۔ یہاں تک کہ گھر میں فاقوں کی نوبت آتی تھی شروع میں گھر میں کوئی کنیز یا ملازم نہیں تھا۔ گھر کا سارا کام خود کرتی چکی پیستا، کھانا پکانا، پانی لانا، بچوں کو پالنا، کپڑے دھونا، گھر کو پاک صاف رکھنا۔ آپ نے اپنے اور بچوں کے فاقے برداشت کیے لیکن کسی سوالی کو اپنے دروازے سے خالی ہاتھ نہیں بھیجا یہاں تک کہ اپنا

گلو بند جو حضرت فاطمہ حضرت حمزہ کی بیوی نے تحفہ کے طور پر دیا تھا سائل کو دیدیا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ سائل کو دینے کیلئے اپنے پاس کچھ نہ تھا آپ نے اپنی چادر مبارک سائل کو پیش کیا کہ وہ اسے یہودی کے پاس گروی رکھ کر اپنے لیے کچھ کھانے کی چیز حاصل کرے جب سائل نے دیکھا کہ چادر کی جگہ جگہ پیوند لگے ہیں۔ تب سائل نے کہا یا بنت رسول اللہ آپکی چادر کون لیگا سائل نے چادر واپس کردی جب فضہ خاتون آپ کے گھر آئی تو گھر کا کام نصف کیا آدھا کام خود سرانجام دیتی اور آدھا کام فضہ کرتی آپ نے اپنی زندگی میں اپنے شوہر سے کبھی کسی چیز کے بارے میں شکایت نہیں کی ہمیشہ اپنے شوہر نامدار کی رضاجوئی کی طالب رہتی تھیں۔ ابن شہر اشوب بیان کرتے ہیں ایک دن حضرت علی نے حضرت فاطمہ سے پوچھا کیا کھانے کی کوئی چیز ہے؟ جواب ملتا ہے خدا کی قسم میں اور میرے دونوں فرزند بھوکے ہیں۔ آپ نے فرمایا آپ نے مجھ کیوں نہیں بتایا؟ فاطمہ فرماتی ہیں مجھے شرم آتی تھی کہ آپ سے اس چیز کا مطالبہ کروں جسے آپ مہیا نہیں کرسکتے میرے بابا فرماتے ہیں علی سے کوئی چیز طلب نہ کرنا خود آپ کے لیے مہیا کریں۔ ابونعیم اصفہانی نے اپنی تصنیف حنۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء عمران بن حصین سے روایت ہے کہ ہے رسول اکرم نے کہا تم میرے ساتھ فاطمہ سے ملنے نہیں آؤ گے؟ عمران کیوں نہیں! ہم اکٹھے فاطمہ کے گھر گئے حضور نے اجازت مانگی آپکی بیٹی نے اندر آنے کی اجازت دی رسول اللہ میرے ساتھ ایک اور آدمی بھی ہے کیا اسکے ساتھ اندر آجاؤں؟ فاطمہ نے فرمایا بابا جان خدا کی قسم ایک عبا کے علاوہ اور کوئی کپڑا نہیں ہے رسول اللہ میری بیٹی عبا سے اپنے آپ کا اس طرح سے پردہ بنالے۔ آپ نے پردہ کرنے کا حکم دیا، فاطمہ میرے پاس اوڑھنی نہیں ہے۔ رسول اکرم کے پاس کاندھے پر پرانی چادر تھی فاطمہ کو دیدی اور فرمایا اس سے اپنا سر ڈھانپ لیں عمران نقل کرتے ہیں ہم دونوں حجرے میں داخل ہوگئے۔ رسول اللہ کیا آپ اس پر راضی نہیں کہ آپ جہاں کی عورتوں کی سردار ہیں فاطمہ بابا جان کیا مریم بنت عمران عورتوں کی سردار نہیں ہیں؟ رسول اللہ وہ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار تھیں تم سب جہاں کی عورتوں کی سردار ہو اور تمہارا شوہر دنیا و آخرت میں صاحب عظمت و بزرگی ہے۔

اس ضمن میں حکیم الامت مفکر پاکستان حضرت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز — از سہ نسبت حضرت زہراؑ عزیز

نور چشم رحمت اللعالمین — آن امام اولین و آخرین

آنکہ جان در پیکر گیتی دمید — روزگار تازہ آئین آفرید

بانوے آن تاجدار ہل آتی — مرتضیٰ مشکل کشا شیر خدا

بادشاہ و کلبہ ء ایوان او — یک حسام ویک زرہ سامان او

مادر آن مرکز پر کار عشق — مادر آن کارواں سالا عشق

آن یکے شمع شبستان حرم — حافظ جمعیت خیرالامم

تانشد آتش پیکار وکین — پشت پازد بر سرتاج وتگین

واں دگر مولائے ابرار جہاں — قوت بازوئے احرار جہاں

درنوائے زندگی سوز از حسینؑ — اہل حق حریت آموز از حسینؑ

سیرت فرزند ہا از امہات — جوہر صدق و صفا از امہات

مزرع تسلیم را حاصل بتولؑ — مادران را اسوۂ کامل بتولؑ

بہر محتاج دلش آن گونہ سوخت		با یہودی چادر خود را فروخت

نوری وہم آتشی فرمان برش		گم رضایش در رضائے شوہرش

آن ادب پروردہ صبر و رضا		آسیا گردان ولب قرآن سرا

گریہ ہائے او زبالین بے نیاز		گوہر افشاندے بدوران نماز

اشک او بر چید جبریل امیں		ہم چو شبنم ریخت بر عرش برین

رشتہ آئین حق زنجیر پاست		پاس فرمان جناب مصطفٰے است

ورنہ گرد تربتش گردیدہ ے		سجدہ ہا بر خاک او پاشیدہ ے

ایک دفعہ حضرت علی نے ہمدردی اور غم گساری کے لہجے میں کہا زہراؑ تم اس قدر زحمت اور مشقت برداشت کرتی ہو کہ میرا دل تڑپ اٹھتا ہے خدا نے فتوحات کے نتیجہ میں مسلمانوں کو بہت سے خدمتگار عطا کئے ہیں کسی دن خدمت رسولؐ میں حاضری دیکر ابھی سے ایک خادم اپنے لیے طلب کرلو فاطمہؑ اپنے باپؐ کی خدمت میں حاضری دیتی ہیں۔ بتاؤ میری پیاری بیٹی تمہیں کیا کام ہے بس آپکےؐ سلام کے لئے آگئی تھی فاطمہ یہ کہکر واپس چلی گئیں۔ واپسی پر انہوں نے علی سے کہا مجھے اپنے باپؐ سے کوئی سوال کرتے ہوئے شرم دامن گیر ہوتی ہے ایک دفعہ پھر فاطمہؑ اور علی رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس بار علی نے فاطمہؑ کی طرف سے سوال کیا مگر پیغمبرؐ نے بلا تردد دوٹوک جواب دیدیا نہیں بخدا نہیں اسیران جنگ میں سے کسی ایک فرد کو بھی تمہیں نہیں دے سکتا اہل صفہ بھوک کا شکار ہیں اور میرے پاس ان کو دینے کیلئے کچھ نہیں ہے میں ان غلاموں کو فروخت کرکے ان سے جو رقم حاصل ہوگی وہ اہل صفہ کی شکم سیری کیلئے خرچ کرونگا علی اور فاطمہؑ پیغمبرؐ کا یہ جواب سن کر ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور خالی ہاتھ لوٹ آتے ہیں۔

رات ہو چکی ہے اور دونوں خاوند اور بیوی اپنے بے سروسامان گھر میں آرام کرنے کے لئے لیٹ چکے ہیں مگر دونوں کے ذہن اسی سوال کے متعلق سوچ رہے ہیں جو آج انہوں نے پیغمبرؐ سے کیا اور پیغمبرؐ بھی تمام دن اسی بارے میں غور فرماتے رہے کہ انہوں نے اپنے محبوب ترین ہستیوں کے سوال کا کیا جواب دیا۔

ناگہاں علیؑ کے گھر کا دروازہ کھلتا ہے پیغمبرؐ اندر داخل ہوتا ہے رات نہ صرف تاریک ہے بلکہ انتہائی سرد بھی ہے علیؑ اور فاطمہؑ سردی سے کانپ رہے ہیں۔ پیغمبرؐ نے دیکھا کہ ان دونوں کے پاس سردی کے تدارک کیلئے صرف ایک معمولی سا کپڑا ہے وہ بھی اس قدر چھوٹا کہ پورے بدن ڈھانپنے کیلئے کافی نہیں پیغمبرؐ نے محبت بھرے لہجے میں ارشاد فرمایا اپنی جگہ سے اٹھنے کا تکلف مت کرو۔ پھر آپؐ نے فرمایا کیا تم نہیں چاہتے کہ میں تمہیں ایک ایسی چیز عطا کروں جو اس چیز سے بدرجہا بہتر ہے جس کی بابت تم نے مجھ سے سوال کیا تھا دونوں نہایت اشتیاق آمیز لہجہ میں پوچھتے ہیں وہ کیا چیز ہے اے اللہ کے رسولؐ یہ وہ کلمات ہیں جو جبرئیل امین نے مجھے بطور خاص سکھائے ہیں ہر نماز کے بعد دس بار سبحان اللہ دس بار الحمد للہ اور دس بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو اور جب بستر پر سونے بیٹھو تو چونتیس بار تکبیر اور تینتیس بار حمد اور تینتیس بار تسبیح پڑھا کرو فاطمہؑ نے ایک بار پھر یہ سبق حاصل کیا ایک بار پھر ضرب نرم کے ذریعے جو انگی روح کی گہرائی تک اتر گئی پیغمبرؐ نے اپنی بیٹی اور داماد کو بجائے خدمت گار کے "کلمات" دیئے گئے تمام دنیا میں یہی وہ عجیب و غریب جوڑا ہے جو اس بات کا شعور رکھتا ہے یہ پیغمبرؐ کے کلمہ عطا کرنے پر مسرور ہیں اسے اپنی خوش بختی سمجھتے ہیں یہی انکا طعام و آب ہے اور اسی کے سہارے یہ اپنی زندگی گزارتے ہیں حضرت علیؑ فرماتے ہیں "خدا کی قسم جس دن سے مجھے ان کلمات کی تعلیم دی گئی ہے آج تک میں نے کبھی انکا ورد ترک نہیں کیا ہے اور فاطمہؑ نے بھی تمام زندگی اس سبق کو یاد رکھا یہ کلمات انکی زندگی بن گئے ان کلمات سے انکا تعلق اس قدر گہرا اور ہمہ گیر ہے کہ تسبیحات انکے نام سے موسوم ہیں (تسبیح فاطمہؑ)۔

آنحضرتؐ اس طرح فاطمہ زہراؑ کو تمام جہان کی عورتوں کا سردار کہلانے کی تربیت

دے رہے تھے۔

مسلمانوں کے مالی حالات پر فتوحات کے بعد دھیرے دھیرے بہتر ہوتے گئے فتح خیبر کے موقع پر ایک آباد رقبہ اراضی فدک کے نام سے مشہور ہے۔ مسلمانوں کے لڑے بھڑے بغیر ہاتھ آیا تھا پیغمبرؐ نے اپنے قبضے میں لیا اور بعد میں حضرت فاطمہ زہراؑ کو ہبہ کیا اسکی آمدن بھی محتاجوں اور سوالیوں میں تقسیم ہوا کرتی تھی آیت وآت ذالقربیٰ حقہ قرآن نازل ہوئی تو فدک فاطمہؑ کے نام ہبہ کر دیا۔

اطاعت الٰہی جب حضرت فاطمہ زہراؑ کام کاج سے فارغ ہو جاتی تو عبادت الٰہی میں مشغول ہو جاتی نماز، تضرع در خدا کی بارگاہ میں دعا، دعا بھی دوسروں کیلئے نہ اپنے لیے "انکا روز کا معمول تھا" امام جعفر صادقؑ اپنے والد آنجناب اپنے والد محترم کے اور آنجناب اپنے چچا حسنؑ سے روایات کرتے ہیں والدۂ گرامی جمعہ کی راتوں میں اول شب سے لیکر صبح تک محراب عبادت میں مصروف رہتیں اور جب دست دعا بلند کرتیں تو سب مومن مرد اور مومنہ عورتوں کیلئے دعا فرماتیں۔

لیکن اپنے لئے دعا نہ کرتی ایک دن میں نے ان سے عرض کیا اماں جان آپ دوسروں کی طرح اپنے لئے بھی دعا خیر کیوں نہیں کرتی؟ انہوں نے فرمایا بیٹا ہمسائے کا حق زیادہ ہے۔
وصال پیغمبرؐ جب آن حضرت حجۃ الوداع سے واپس آتے ہیں اور کچھ عرصہ کے بعد اپنی بیٹی کو خوشگوار خبر سناتے ہیں۔ میری بیٹی پہلے جبرئیلؑ سال میں ایک دفعہ مکمل قرآن مجھ پر پڑھتے تھے لیکن اس سال انہوں نے دو دفعہ پڑھا ہے جناب فاطمہؑ نے پوچھا بابا اس کا کیا مطلب ہے آپؐ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ یہ میری زندگی کا آخر سال ہے جناب زہرا کو جھٹکا لگا وہ افسردہ ہو گئیں اور ان کی آنکھوں سے آنسوں نکل آئے۔ آنحضورؐ نے اپنی گفتگو کو اس جملے پر ختم کیا اور تم میری بیٹی ہو خاندان میں سے پہلی فرد ہو گی جو سب سے پہلے مجھ سے ملو گی۔ یہ سن کر حضرت زہرا کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی آخر وہ دن بھی آگیا کہ پیغمبر خدا کا وصال ہوا۔ باباؐ کی وصال سے جو رنج پہنچا اس کا اندازہ خود جناب سیدہؑ ہی بہتر جانتی تھیں آپ اپنے باباؐ کی وفات کے چھ ماہ

بعد مالک حقیقی سے جا ملی آپکی وصیت کے مطابق آپکا جنازہ رات کو اٹھایا گیا اور رات کی تاریکی میں آپ کو دفنایا گیا۔

آپ کی اولاد

آپکے پسماندگان میں آپکے دو بیٹے حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ تھے اور دو بیٹیاں زینب کبریٰؑ اور زینب صغریٰؑ (ام کلثوم) جب زینب کبریٰ سن بلوغت کو پہنچی قبائل کے سرداروں اور سربرآوردہ عرب کے پیغام آئے حضرت علیؑ نے سب کے پیغام رد کردے حضرت علی نے زینب کا نکاح اپنے بھتیجے عبداللہ بن جعفر سے کیا آپ سے چار بیٹے عون، محمد، اکبر، عباس اور ایک بیٹی ام کلثوم پیدا ہوئی عون اور محمد کربلا میں شہید ہوئے۔

سن ۶۱ ھ ہجری کو آپ اپنے دونوں فرزند عون محمد کے ساتھ اپنے بھائی حضرت امام حسینؑ کے ساتھ کربلا میں تھیں۔ آپ نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے بھتیجے قاسمؑ اور اکبرؑ خاک اور خون میں تڑپتے دیکھا آپ نے اپنے بھائی عباس اور حسین کو شہید ہوتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے علی اصغرؑ کو شہادت کیلئے پیش کرتے دیکھا، آپ نے اپنے دونوں بیٹوں عون، محمد کو شہادت کیلئے بنا سنوار کر میدان جنگ میں بھیجا مختصراً آپ نے کل ۱۸ بنی ہاشم کو شہید ہوتے دیکھا اسکے علاوہ اپنے بھائی کے انصار کو ایک ایک ہو کر شہید ہوتے ہوئے دیکھا آپ نے خیموں کو جلاتے ہوئے اور جلتے ہوئے دیکھا آپ نے لٹتے ہوئے خیموں اور بی بیوں کو دیکھا محرم کی گیارھویں تاریخ کو آپکو اور دیگر مخدرات عصمت کے ساتھ قیدی بنا کر بے کجاوہ اونٹوں پر سوار کرا کے شہیدوں کی لاشوں سے گزارتے ہوئے کوفہ کے بازار اور کوچوں سے گزارا گیا۔ تمام قیدیوں کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے بی بیاں ننگے سر تھیں اس لئے کہ ان کی چادریں لوٹی گئی تھیں اس لٹے ہوئے قیدی قافلے کو کوفہ سے شام لے جایا گیا۔ اور پھر دربار شام میں پیش کیا گیا۔ یزید تخت پر بیٹھا ہوا ہے سامنے طشت میں حضرت امام حسینؑ کا سر مبارک رکھا ہوا ہے مستی کے عالم میں بے ادبی کرتا ہے دربار سجا ہوا ہے اور درباریوں سے بھرا ہوا ہے سب درباریوں کی آنکھیں قیدیوں کی طرف متوجہ

ہیں یزید شعر پڑھتے ہوئے امام حسینؑ کے دندان مبارک پر چھڑی لگانے کی جسارت کی تو زینب اٹھیں اور اس طرح سخن طراز ہوئیں۔

ساری تعریفیں خدا سے مخصوص ہیں درود و رحمت ہو اس کے رسولؐ پر خدا کا قول برحق ہے بدکاروں کا انجام یہ ہے کہ وہ خدا کی آیات کو جھٹلاتے ہیں اور انکا مذاق اڑاتے ہیں یزید تم نے اپنی پوری طاقت صرف کر کے ہم پر دنیا تنگ کر دی ہے اور اسیروں کی مانند ہم کو یہاں لے آئے کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ ہمارے ساتھ تیری اس بدسلوکی سے خدا کے نزدیک ہماری جو قدر و منزلت ہے وہ گھٹ جائیگی اور اسکے نزدیک تیری عظمت بڑھ جائیگی اب چونکہ دنیا تیرے ہاتھوں میں ہے لہذا تو مغرور اور بے پرواہ ہو گیا ہے جس حکومت و سلطنت پر تو ناز کرتا ہے وہ ہمارا حق ہے کچھ سوچ اور غور کر نادان نہ بن کیا تجھے خدا کا یہ قول یاد نہیں ہے کہ فرماتا ہے کافر یہ خیال نہ کریں کہ جو مہلت ہم نے انہیں دی ہے وہ انکے لئے بہتر ہے ہم اس لئے انہیں مہلت دیتے ہیں تاکہ وہ اپنے گناہوں میں اضافہ کرلیں آخر کار سخت ترین عذاب میں مبتلا ہونگے کیا یہی انصاف ہے۔ کہ تیری عورتیں اور کنیزیں پردہ نشین رہیں اور رسول کی بیٹیوں کو اسیر کرے اور لوگوں کو انکا تماشا دیکھنے کے لئے اکسائے جبکہ ان کے مرد بھی انکے ساتھ نہیں ہیں صحیح ہے جسکی ماں نے اہلبیتؑ کی دشمنی میں شہیدوں کا جگر دانتوں سے چبایا ہو اس سے اس کے سوا اور کیا توقع رکھی جا سکتی ہے تو وہ ہے جو اپنے کئے ہوئے مظالم پر فخر کرتا ہے۔ اور حسینؑ کے دندان مبارک پر چھڑی لگاتا ہے۔ رسول کی ذریت اور انکے منور ستاروں کے غم میں دل داغدار اور آنکھیں اشک بار ہیں جو کہ زمین پر چمکتے تھے اب تو بزرگوں اور مردوں کو یاد کر کے انہیں آواز دے رہا ہے تو یہ گمان کرتا ہے کہ وہ تیری آواز سن رہے ہیں اور تیری بے حیائی کی مسرتوں میں شریک ہیں آخرکار تو بھی ایک دن اپنی قسمت کے ماروں سے جاملیگا اور یہ تمنا کریگا کہ کاش گونگا اور شل ہوتا اور ان جرائم کا مرتکب نہ ہوتا اور یہ باتیں نہ کہتا اے اللہ ہمارا حق لے لے اور ستمگروں کو عذاب میں مبتلا فرما اور ہمارا خون بہانے والے اور ہمارے مردوں کو قتل کرنے والے پر قہر نازل فرما یزید خدا کی قسم تو نے خود کو ہلاکت اور بدبختی کے غار میں گرا دیا ایک دن تو رسولؐ کے سامنے ہوگا حالانکہ تو نے انکی ذریت کا خون بہایا اور بہت ظلم کیا ہے خدا تم اور پاک باز شہیدوں کو جمع کریگا اور انکا انتقام لیگا جیسا کہ

فرماتا ہے راہ خدا میں قتل ہونے والوں کو مردہ مت کہو وہ زندہ ہیں بلکہ وہ اپنے خدا کے پاس رزق پاتے ہیں۔ خدا تیرے امور کا فیصلہ کرنے والا ہے رسول مدعی اور جبرائیل تیرے مخالف ہیں جن لوگوں نے تجھے اس ظلم پر ابھارا وہ عنقریب جان لینگے کہ ظالموں کے لئے سخت عذاب ہے اور انکے لئے بہت برا ٹھکانا ہے مجھ پر خواہ کتنے مصائب پڑے ہوں تجھے ذلیل سمجھتی ہوں اور تجھے ملامت و سرزنش کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتی مگر کیا کیا جائے کہ سینہ میں ہوک اٹھتی ہے اور آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔

تعجب ہے۔ اللہ والے شیطان کے گروہ والوں کے ہاتھوں قتل ہو جائیں انہوں نے ہمارے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کیے اور ہمارے پاک پیکروں کو خون میں غلطاں کیا ہے یقیناً ایک روز کیفر کردار کو پہنچیں گے بے شک خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا ہے ہم خدا ہی سے فریاد کرتے ہیں اور اسی پر اعتماد ہے تو اپنے ہر حربہ کو آزما کے دیکھ لے اور اپنی کوشش میں کوئی کسر نہ چھوڑ خدا کی قسم تو ہمارا نام نہیں مٹا سکے گا اور ہماری وحی کو تباہ نہیں کر سکے گا اور ہماری عظمت نہیں گھٹا سکے گا اور اپنے دامن سے یہ داغ کبھی نہ چھڑا سکے گا جس دن منادی ستمگروں پر لعنت کریگا اس روز تجھے یہ تدبیر یہ زمانہ اور یہ مجمع کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا میں خدا کی حمد کرتی ہوں کہ اس نے ہمیں سعادت معرفت اور شہادت کے افتخار سے نوازا ہے میں خدا سے سوال کرتی ہوں کہ شہیدوں کے اجر و ثواب کو مکمل فرما اور ہم کو انکا اچھا جانشین قرار دے رحم کرنے والا خدا ہمارے لئے کافی ہے اور بہترین مددگار ہے۔

آپکی شجاعت کا ایک ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ جب اہل بیت حرم کو دربار یزید میں لایا گیا تو ایک شامی کی نظر سکینہ بنت الحسینؑ پر پڑی وہ اٹھا یزید کے پاس گیا اور کہا یہ کنیز مجھے بخش دیجئے تاکہ میری خدمت کرے سکینہ شامی کی یہ بات سن کر لرز گئی اور زینب سے لپٹ گئی اور عرض کی پھوپھی جان انہوں نے مجھے یتیم کیا اور اب خدمت گزاری کے لئے مانگا جا رہا ہے۔ زینب کبریٰ نے شامی کو مخاطب کر کے کہا تو نے غلط سوال کیا ہے یہ کبھی پورا نہیں ہو سکتا تیری خواہش دل میں ہی رہیگی ۔ یزید کو غصہ آیا اور کہا میں چاہوں تو یہ کام کر سکتا ہوں۔

حضرت زینبؑ نے فرمایا خدا کی قسم تو ہرگز ایسا نہیں کر سکتا مگر یہ کہ ہمارے دین سے خارج ہو جائے اور دوسرا دین اختیار کرے اس سے یزید اور برافروختہ ہو گیا اور کہا تم مجھ سے اس انداز سے گفتگو کر رہی ہو تمہارے والد اور بھائی دین سے خارج ہو گئے زینب کبریٰ نے کہا اگر تو مسلمان ہے تو تیرا باپ اور دادا میرے جد والد اور میرے بھائی کے دین کے تابع ہیں یزید نے کہا اے دشمن خدا تم جھوٹ کہتی ہو زینبؑ نے فرمایا تو امیر ہے اور اور ظالموں کے مانند سلوک کر رہا ہے اور ایسی رکیک باتیں زبان پر جاری کر رہا ہے گویا یزید کو حیا آ گئی اور وہ خاموش ہو گیا۔ شامی نے دوبارہ کہا کہ یہ کنیز مجھے بخش دیجئے۔ یزید نے کہا خدا تمہیں غارت کرے تجھے معلوم ہے کہ کس کا مطالبہ کر رہا ہے شامی نے کہا کہ مجھ معلوم نہیں یزید نے کہا کہ یہ سکینہ بنت حسینؑ ہے شامی نے کہا کہ حسینؑ فرزند فاطمہؑ؟ یزید نے کہا ہاں شامی نے کہا خدا تجھے ذلیل کرے تو کیا کہتا ہے یہ خارجی ہیں یزید کے حکم سے شامی کو قتل کر دیا گیا اس کے بعد یزید کے حکم سے اہلبیتؑ کو ایک خرابے میں قید کر دیا گیا۔ ایک عرصے کے بعد قیدیوں کو رہائی ملی یزید نے بشیر بن جزلم کے ہمراہی میں قیدیوں کو مدینہ روانہ کیا۔ جناب زینبؑ خاتون کربلا کی شیر دل خاتون کہلاتی ہیں آپکی آخری آرام گاہ شام میں واقع ہے۔

حضرت ام کلثومؑ

آپکے والد علی اور آپکی والدہ فاطمہ الزہراؑ ہیں۔ حیات رسول میں پیدا ہو چکی تھی ماںمقانی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں، ام کلثوم زینب صغرا کی کنیت ہے آپ اپنے بھائی حضرت امام حسینؑ کے ساتھ کربلا آئیں۔ کربلا میں حضرت زینبؑ کبریٰ کیساتھ ۱۸ شہدائے بنی ہاشم جس میں بھائی بھتیجے اور بھانجے شامل تھے اپنی آنکھوں سے شہید ہوتے دیکھا۔ انصار حسین کو ایک ایک ہو کر شہید ہوتے دیکھا گھوڑوں کے سموں سے لاشہ ہائے شہدا کو پامال ہوتے دیکھا خیموں کو لوٹتے دیکھا اور خیموں کو جلتے دیکھا۔ یتیموں کو بلکتے دیکھا پیاس سے بچوں کی صدائے العطش العطش کی پکار سنتی رہی اور آخر میں گیارھویں محرم ۶۱ ہجری کو بطور قیدی اونٹ پر سوار کروا کے دونوں ہاتھوں کو رسی سے باندھ کے بے مقنعہ چادر کوفہ کی طرف دوسرے قیدیوں کے ساتھ روانہ کر دی

تیں شہر کوفہ میں ڈھول پیٹ کر منادی کرادی گئی تھی کہ خارجی قیدی لائے جا رہے ہیں لہٰذا لوگ جوق در جوق تماشہ دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے چھتوں پر عورتیں انتظار میں تھیں کہ قیدیوں کے قافلے کا تماشا دیکھا جائے۔ صبح کا وقت ہے سورج طلوع ہو چکا ہے اتنے میں کوفہ شہر کا دروازہ کھلتا ہے خزام اسدی کہتے ہیں ۶۱ھ یعنی سال شہادت امام حسینؑ میں کوفہ گیا تو دیکھا کہ کوفہ کی عورتیں کھڑی ہیں اور علی بن الحسینؑ جو کہ بیماری سے لاغر ہو گئے تھے فرما رہے تھے اے کوفہ والو تم ہمارے پر رو رہے ہو کیا تمہارے علاوہ کسی اور نے ہمیں قتل کیا؟ اس موقع پر ام کلثوم زینب صغراؑ نے لوگوں کو خاموش ہونیکا حکم دیا اور جب لوگوں کی آہ و بکا کی آواز بند ہو گئی تو فرمایا تمام تعریفیں عالمین کے پروردگار کے لئے ہیں درود و سلام ہو میرے نانا سید المرسلینؐ پر۔۔۔۔۔۔کوفہ والو تم بہت حقیر اور پست لوگ ہو تمہارے آنسو خشک نہ ہوں اور تمہیں کبھی آرام میسر نہ ہو تمہاری مثال اس عورت کی سی ہے کہ جس نے محنت اور مشقت سے کاتے ہوئے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تم پیمان شکن ہو تمہارا ظاہر پر فریب اور باطن آلودہ ہے بالکل گھور اور مزبلہ پر اگی ہوئی ہریالی کے مانند یا کیچڑ پر پڑی ہوئی چاندی کی طرح سوچو کتنا برا کام کیا ہے تم نے خدا تم پر قہر نازل کرے اور ہمیشہ رہنے والا عذاب میں مبتلا کرے اب کیا روتے ہو؟ اور اسی کے لائق ہو ہنسو کم اور زیادہ روؤ اپنے دامن کو تم نے ذلت و رسوائی سے داغدار کیا۔ یہ داغ تمہارے دامن سے چھڑائے نہیں جا سکیں گے۔ حسین بن علی کہ جس کے نور ہدایت نے دنیا کو روشن کیا کے قتل سے تم خود کو کیسے بری کر سکتے ہو؟ تف ہو تم نے بڑا نقصان اٹھایا اور خدا کو اپنے پر غضبناک کیا اور ذلت و پستی میں گر پڑے ہو قریب تھا کہ تمہارے کرتوت سے آسمان گر پڑے اور زمین شگافتہ اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں تم جانتے ہو کہ تم نے رسول خداؐ کے پارہ جگر کو کس طرح ٹکڑے کیا ہے اور انکے اہل حرم کو اسیر کیا ہے اور انکے خون سے زمین کو رنگین کیا ہے بے حیائی اور سرکشی سے تم نے یہ مظالم ڈھائے ہیں! اگر آسمان سے خون کی بارش ہو تو تعجب کی بات نہیں لیکن آخر کار رسوا کرنے والا عذاب بہت زیادہ سخت ہے اور جن پر عذاب ہو گا انکا کوئی مددگار نہیں ہے دنیا کی چند روزہ مہلت تمہیں غفلت میں نہ ڈالے خدا ظالموں کی گھات میں ہے اور کوئی بھی انکے ہاتھ سے نہیں بچ سکتا اس پر شکوہ خطبہ کے بعد انکی طرف سے منہ پھیر لیا مجمع دریائے حیرت میں ڈوبا ہوا تھا سب اپنے دانتوں سے اپنے ہاتھ کی انگلیاں کاٹ

رہے تھے ام کلثوم کا مذکورہ بالا خطبہ کا ذکر تمام مقاتل اور تاریخوں میں مرقوم ہے اسی بات کو آگے بڑھاتے رہے۔

بنی اسد کی خواتین

بنی اسد کی خواتین کربلا کے مضافات میں خیمہ زن تھیں۔ انہوں نے کربلا کا دلخراش منظر دیکھا تھا۔ تین دنوں سے شہدائے کربلا کے سر کٹے لاشے بے گور و کفن کربلا کی تپتی دھوپ میں پڑے تھے بنی اسد کو معلوم تھا کہ یہ لاشیں امام حسینؑ اور اسکے جان نثار ساتھیوں کے ہیں لیکن حکومت وقت کی خوف سے وہ دفنانے سے معذور تھے لیکن بنی اسد کی بہادر خواتین سے رہا نہ گیا وہ اپنے مردوں کو اکساتی اور غیرت دلاتی ہیں لیکن انکے مرد زندہ لاشوں کی طرح دم بخود تھے جب یہ خواتین مردوں کی طرف سے مایوس ہوئیں تو خود اوزار لیکر کربلا کے شہیدوں کو دفنانے کے لئے روانہ ہوئیں یہ کہتے ہوئے کہ کل قیامت کے دن پیغمبر اسلامؐ اور فاطمہ زہراؑ کو کیا منہ دکھائینگے۔ عورتوں نے اپنی چادریں مردوں کے سروں پر ڈالیں خواتین کے اس جذبے سے مرد متاثر ہوئے اور انکا مردہ ضمیر جاگ اٹھا تب ان کے مردوں کو غیرت آئی چنانچہ گنج شہیداں کی طرف روانہ ہوئے اور شہیدوں کی لاشوں کو دفنا دیا۔

کوفہ کی خواتین اسی طرح جب یزید اپنی موت مرگیا تو کوفہ کا شہر ایک دفعہ پھر جاگ اٹھا وہ امیر معاویہ اور اسکا بیٹا یزید سے متنفر تھے چنانچہ چاہا کہ وہ اپنا ایک امیر منتخب کریں چنانچہ کوفہ کے بااثر لوگ مسجد کوفہ کی طرف روانہ ہوئے مسجد میں لوگوں کا اجتماع بڑھتا گیا تقریبا لوگ عمر ابن سعد کو اپنا امیر بنانے پر متفق نظر آرہے تھے یہ خبر کوفہ کی خواتین تک پہنچی اور جنگل کی آگ کی طرح پورے شہر کوفہ میں پھیل گئی اسی اثنا میں گھروں اور گلی کوچوں سے خواتین چیختی چلاتی ہوئی کوفہ کی مسجد کی طرف روانہ ہوئیں چیخ کر مردوں پر لعنت بھیجنا شروع کیا اے بے غیرتو نواسہ رسولؐ فاطمہ زہراؑ کا لال اور علی مرتضیٰؑ کا نور نظر حسینؑ کے قاتل کو امیر بنا رہے ہو تم کو شرم نہیں آتی اے بے غیرتو شرم حیا کرو یہ کہتے ہوئے خواتین کا جلوس مسجد کے قریب پہنچ گیا۔ کوفہ کے مردوں

کو نہایت شرمندگی کے عالم میں اپنا فیصلہ واپس لینا پڑا اور ایک بڑی شرمندگی اور شرم ساری سے کوفہ کے لوگ بچ گئے۔

نسیبہ

نسیبہ اپنے شوہر غزیہ اور اپنے بچوں امارہ اور عبداللہ کے ساتھ احد میں آئی تھی اس کی زبانی یہ قصہ ملاحظہ فرمائیں ام سعد نام کی ایک عورت کہتی ہے میں نسیبہ کے پاس گئی اور کہا خالہ اپنی داستان مجھے سنایئے نسیبہ نے کہا میں صبح سویرے احد پہنچ گئی تھی تا کہ زخمیوں کو پانی پلاؤں شروع میں تو ہم لوگ کامیاب ہوئے لیکن دیکھتے ہی دیکھتے ہمارا لشکر پسپا ہو گیا اور دشمن نے رسولؐ پر حملہ کر دیا۔ میں نے تلوار اور کمان سے آں حضرتؐ کا دفاع کیا اس دوران میں نے بھی چند زخم کھائے۔ ام سعد نے دیکھا کہ نسیبہ کے دوش پر ایک زخم کا نشان ہے اس نے پوچھا امارہ کی ماں یہ زخم آپ کو کس نے لگایا تھا۔ ابن قمیہ نام کا ایک مرد تھا لوگ رسول کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اور یہ شخص کہہ رہا تھا مجھے بتاؤ محمد کہاں ہے اگر وہ زندہ ہے تو میں ہرگز زندہ نہیں رہوں گا۔ مصعب بن عمیر نے ہم لوگوں کے تعاون پر اس پر حملہ کیا اس شخص نے یہ زخم لگایا تھا لیکن میں نے اس سے چشم پوشی نہیں کی بلکہ پے در پے تلوار سے اسکو کئی ضربیں لگائیں۔ یہ دشمن خدا دو زرہ پہنے ہوئے تھا منہ بھی چھپائے ہوئے تھا لہذا میری ضربوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا اس کے بعد ام سعد اسکے کٹے ہوئے ہاتھ کی طرف متوجہ ہوئی نسیبہ کا کٹا ہوا ہاتھ بھی اس کی پہچان اور یادوشتوں میں سے ایک تھا نسیبہ کا یہ ہاتھ جنگ یمامہ میں کٹ گیا تھا اس جنگ میں بادیہ نشین عربوں نے مسلمانوں پر سخت حملہ کیا تھا میں بھی انہی مسلمانوں میں شامل تھی سب نے ہتھیلی پر جان رکھ کر جنگ کی یہاں تک کہ باغ مرگ تک پہنچ گئے وہاں ایک گھنٹہ تک جنگ کی اسلام کے سرباز ابودجانہ انصاری اس درہ کو کھولنے میں لگے ہوئے تھے جو مسیلمہ کے گمراہ ساتھیوں نے بند کر دیا تھا میں نے بھی موقع سے فائدہ اٹھایا اور اس قلعہ تک پہنچ گئی میں دشمن خدا مسیلمہ کو قتل کرنا چاہتی تھی اسی وقت ایک مرد نے میرے اوپر حملہ کیا اور میرا ہاتھ قلم کر دیا خدا کی قسم جب میں نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو اسے مردہ پایا عبداللہ کا بیٹا تلوار سے خون صاف کر رہا تھا میں نے کہا تم نے اسے قتل کیا ہے؟ اس نے کہا ہاں اس فتح پر میں نے شکر

ادا کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑی۔

صفیہ بنت عبدالمطلب

آپ رسولؐ اسلام کی پھوپھی اور با کمال عورت تھیں ظہور اسلام کے آغاز میں مسلمان ہوئیں رسول کے ہاتھ پر بیعت کی اور مدینہ ہجرت کی زمانہ جاہلیت میں حارث بن حرب بن امیہ اور پھر عوام کے عقد میں رہیں دوسرے عقد کا ثمرہ زبیر سائب اور عبدالکعبہ ہیں جنگ احد میں شریک تھیں جب مسلمان پسپا ہو کر بھاگنے لگے تو آپ انھیں اور مسلمانوں کو غیرت دلانے کے لئے کہا رسول کو کیوں تنہا چھوڑ دیا۔ رسولؐ نے زبیر سے فرمایا کہ اسے واپس لوٹا دو تا کہ اپنے بھائی حمزہ کی لاش کو نہ دیکھ سکے زبیر انکے پاس آئے اور کہا اماں رسولؐ نے فرمایا ہے کہ واپس چلی جاؤ پوچھا کیوں؟ میں نے سنا ہے کہ میرے بھائی کو مثلہ کر دیا ہے بولیں راہ خدا میں یہ مصیبت آسان ہے ہم اس پر راضی ہیں انشاءاللہ میں صبر کرونگی زبیر رسول کی خدمت میں شرفیاب ہوئے اور صفیہ کی باتیں نقل کیں۔ رسولؐ نے فرمایا انہیں کچھ نہ کہو صفیہ حمزہ کی لاش پر آئیں لاش دیکھی نماز جنازہ پڑھی پھر کلمہ استرجاع پڑھا اور بھائی کی مغفرت کیلئے دعا کی اس کے بعد رسولؐ نے حمزہ کی لاش کو دفن کرنے کا حکم دیا صفیہ جنگ خندق میں بھی آئی تھیں جب بھی رسول جنگ کے لئے جاتے تھے تو وہ رسول کی ازواج اور عورتوں کی حسان بن ثابت کے گھر میں دیکھ بھال کرتی تھی کیونکہ انکی چاردیواریں حصار سب گھروں سے زیادہ مضبوط تھیں جب یہود کی پیمان شکنی بنی قریظہ اور مسلمانوں کے درمیان جنگ چل رہی تھی تو ایک یہودی حسان کے گھر کے آس پاس گھومتا ہوا دیکھا گیا صفیہ نے حسان سے کہا مسلمان جنگ میں مشغول ہیں وہ اس پناہ گاہ کی خبر گیری نہیں کر سکتے خدا کی قسم مجھے اس یہودی کی طرف سے تشویش ہے ممکن ہے کہ وہ یہودیوں کو ہمارے ٹھکانے کا پتہ بتا دے اور ہمارے لئے مشکلیں کھڑی ہو جائیں رسول خود انکے اصحاب بھی جنگ میں سرگرم ہونے کی وجہ سے ہم سے بے خبر ہیں جاؤ اس کافر پھرے کو قتل کر دو۔ حسان نے کہا مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکے گا صفیہ اسکا جواب سن کر اٹھیں ایک چوب اٹھائی پناہ گاہ سے نکلیں اور یہودی کو قتل کر دیا صفیہ جنگ خیبر میں بھی شریک تھیں۔

ہندہ عمرو بن جموح کی زوجہ

یہ عمر بن جمام کی بیٹی اور مشہور صحابی جابر بن عبداللہ انصاری کی پھوپھی تھیں جب ہم اسکے عزیزوں کو دیکھتے ہیں تو اسکے شوہر بھائی بھتیجے اور اسکے فرزند بھی اسلام کے ناصر و مددگار نظر آتے ہیں شہامت وشجاعت کے لحاظ سے یہ عورت بھی خود بڑی عورتوں میں سے ایک ہے۔

جنگ احد میں مسلمانوں نے عزیزوں کی قربانی دیکر اور اسکے نتیجہ میں پڑنے والی مصیبت کو برداشت کر کے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ صرف آسائش وآرام ہی کے زمانہ میں آنحضرتؐ کے ہمنوا نہیں ہیں بلکہ وہ اسلام کی مدد کیلئے سر بکف ہیں چاہے کامیاب ہوں یا غم واندوہ سے دوچار ہوں جنگ بدر میں مسلمانوں کو مال غنیمت ملا تھا اور دشمنوں کو قتل واسیر کیا تھا لیکن جنگ احد میں اسکے برعکس ہوا شاید دشمنوں کو یہ غلط فہمی تھی کہ یثرب والے صرف اس صورت میں تعاون کرتے ہیں کہ جب انکا فائدہ ہوتا ہے اور فتح وظفر متوقع ہوتی ہے لیکن اگر کہیں انہیں یہ احساس ہو جائے کہ فلاں کام میں اسکے لئے خطرہ یا نقصان ہے تو پھر وہ انکی حمایت نہیں کرینگے جنگ احد نے انکی غلط فہمی کو دور کر دیا خصوصاً اسلام کی شکست خوردہ لشکر نے زخمی ہونے کے باوجود دشمن کا حمراء الاسد تک تعاقب کیا اور ثابت کر دیا کہ جنگ سے فرار کرنے والے نے شکست کھائی ہے اور دشمن کا تعاقب کرنے والا کامیاب ہے۔

ہندہ کے چار جوان اور شیر جیسے بیٹے جنگی اسلحہ سے لیس ہیں جنگ میں جانے کے لئے تیار ہیں۔ ہندہ کے شوہر ضعیف بھی ہیں اور لنگڑے بھی۔ اسلامی جہاد کے فریضہ کیلئے ضعیفی اور لنگڑاپن دونوں ہی عذر ہیں اسکے باوجود وہ جنگ میں جانے کے لئے تیار ہیں جو لوگ انہیں جنگ میں جانے لے لئے منع کرتے ہیں وہ لوگ کہتے ہیں تم ایک ضعیف اور معذور آدمی ہو۔

جنگ میں تمہارے بیٹوں کی شرکت کافی ہے وہ کہتے ہیں کیا عجیب بات ہے وہ جنگ کریں اور جنت میں جائیں اور میں تمہارے پاس بیٹھا رہوں۔ ہندہ نے سنا کہ انکا شوہر خدا سے لو لگائے ہوئے کہ رہا ہے اللہ مجھے میرے اہل وعیال کے پاس واپس نہ پلٹانا اے اللہ مجھے جام شہادت سے

سیراب فرما اس کے بعد وہ رسولؐ کی خدمت میں شرف یاب ہوئے اور عرض کی اللہ کے رسولؐ بعض لوگ مجھے جنگ میں جانے سے روکنا چاہتے ہیں خدا کی قسم میری تمنا یہ ہے کہ جام شہادت پی کر جنت میں جاؤں خدا نے تمہیں جہاد سے معذور رکھا ہے تم پر جہاد واجب نہیں ہے مجھے معلوم ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ مجھے اس عظیم سعادت سے محروم نہ فرمائیں۔

رسولؐ نے اجازت مرحمت فرمائی اور ان لوگوں سے کہا جو انکو جنگ میں شرکت کرنے سے منع کر رہے تھے اس سے منع نہ کرو ہو سکتا ہے کہ خدا اسے بھی درجہ شہادت پر فائز کر دے احد کے شہیدوں میں سے ایک یہی پیر مرد تھا ہندہ پر اس جنگ میں بڑی مصیبت آئی کیونکہ اس جنگ میں اس کا شوہر ایک بھائی اور ایک فرزند شہید ہونے والے اپنے شہیدوں کی لاشیں اپنی تحویل میں لے لیں اونٹ کو بیٹھایا ایک ایک کر کے اپنے شہیدوں۔ شوہر، بھائی اور بیٹے کی لاشوں کو اونٹ پر رکھ لیا اور اسکے بعد اونٹ کی مہار پکڑ کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئیں تا کہ انہیں بقیع میں دفن کریں ہندہ نے محسوس کیا کہ جس قدر وہ اونٹ کو مدینہ کی طرف ہنکانا چاہتی ہیں وہ اتنا ہی سست ہو جاتا ہے لیکن جب احد کی طرف اسکا رخ کرتی ہیں تو وہ وجد میں آتا ہے اور تیزی سے قدم بڑھاتا ہے یہ بات ہندہ کے لئے حیرت انگیز تھی اس بات کو سمجھنے کے لئے ہندہ رسولؐ کے پاس گئیں واقعہ سنایا رسولؐ نے فرمایا اونٹ حکم کے تابع ہے کیا عمرو نے کچھ کہا تھا ہاں وہ جنگ کے لئے جاتے وقت کہا تھا اے اللہ مجھے واپس اپنے اہل وعیال کے پاس دوبارہ نہ لانا اے اللہ مجھے جام شہادت سے سرفراز فرما اسی لئے اونٹ احد سے نہیں جا رہا ہے تم انصار میں سے بعض اللہ کے پاس بہت معزز ہو اے ہندہ جان لو کہ تمہارے بھائی کی قبر پر تا قیامت فرشتے توجہ رکھیں گے۔

رسول کے حکم سے شوہر، بھائی، بیٹے کی لاشوں کو احد میں دفنائے گئے جب ہندہ اپنے شہیدوں کی سپرد خاک کرنے کے بعد مدینہ کی طرف واپس ہوئیں تو راستے میں امہات المومنین (رسول کی بیویاں) احد کی طرف رسول کی خبر گیری کے لئے آ رہی تھیں ملاقات ہوئی امہات المومنین نے ہندہ سے دریافت کیا کہاں سے آ رہی ہو جواب ملا احد سے آ رہی ہوں پوچھا کیسے حالات ہیں اور جنگ کی کیا خبر ہے ہندہ نے کہا رسولؐ سلامت ہیں لہذا سب کچھ ٹھیک ہے

دشمن بھاگ چکا ہے یہ بہت بڑی خوش خبری ہے رسولؐ صحیح وسلامت ہیں اسکے علاوہ ہر مصیبت معمولی ہے ایک خوش خبری یہ کہ کہ ہمارے بعض جوانوں کو شہادت نصیب ہوئی ہے۔

ام سلیم (راہ اسلام کی ایک مجاہدہ)

یہ اسلام کی سابقین میں سے ہیں اور آپ نے رسول کی بیعت کی ہے انکا شوہر مالک بن نضر اسکے مسلمان ہو جانے سے بہت غضبناک ہوا انہیں ملامت کی کہ پیغمبر اسلام کی باتوں سے مسحور ہو گئی ہے لیکن انہوں نے اپنے شوہر سے کہا میرے اوپر جادو نہیں چلا ہے بلکہ میں نے علم و آگاہی کے ساتھ اسلام قبول کیا ہے۔

مائیں اپنے بچوں کے ایمان کے سلسلے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں ام سلیم نے اس بچہ کو شہادتین کی تلقین کی جس نے ابھی بولنا شروع کیا تھا لیکن مالک نے ان سے کہا میرے بچے کو برباد نہ کرو انہوں نے جواب میں کہا آپ مطمئن رہیں یہ برباد نہیں ہوگا۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ انس کو دودھ پلاتی رہیں گی۔ تھوڑے دنوں کے بعد مالک شام گیا راستہ میں اس سے دشمنوں نے قتل کر دیا مالک کے قتل ہونے کے بعد ابو طلحہ نے اسے پیغام دیا انہوں نے جواب دیا کہ تم مشرک ہو پتھروں اور لکڑیوں کی پوجا کرتے ہو جو نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان تمہیں شرم نہیں آتی ہے کہ تم انکی پرستش کرتے ہو اگر تم مسلمان ہو گئے تو میں تم سے نکاح کر لونگی۔ ابو طلحہ مسلمان ہو گیا اور اسی مہر پر انہوں نے اس سے شادی کر لی۔ آپ محدثہ بھی ہیں رسولؐ سے ۱۴ حدیثیں نقل کی ہیں ان سے اسکے بیٹے انس عبداللہ ابن عباس اور عمرو بن عاصم انصاری نے حدیث نقل کی ہے کہ جنگ احد میں بعض مسلمان مقاومت اور ثابت قدمی کے لحاظ سے چٹان تھے انہوں نے استقلال و استقامت کا امتحان دیا آپ بھی احد میں موجود تھیں۔ انکا کام سپاہیوں اور زخمیوں کو پانی پلانا تھا ام سلیم جنگ حنین میں بھی شریک تھیں۔ حنین مکہ سے 10 میل کے فاصلہ پر واقع ہے جنگ حنین بھی بڑی جنگ تھی رسولؐ اور چند دوسرے افراد کے علاوہ مارے خوف کے سب ہی فرار کر گئے تھے ام سلیم اس جنگ میں بھی استقامت کا نمونہ تھیں اپنے پاس ایک خنجر رکھے ہوئے تھیں اسکے

شوہر نے رسولؐ سے عرض کی اے اللہ کے رسولؐ ام سلیم کے پاس خنجر ہے۔ ام سلیم نے عرض کی اے اللہ کے رسولؐ اگر ان مشرکوں میں سے کوئی میرے قریب آیا تو میں اسکا پیٹ چاک کردونگی اے اللہ کے رسولؐ یہ جو جنگ سے بھاگ رہے ہیں یہ بھی انہی لوگوں کی طرح قتل کیے جانے کے لائق ہیں جو آپؐ سے جنگ کر رہے ہیں میں انہیں قتل کر ڈالونگی۔ رسولؐ نے فرمایا ام سلیمہ ہمارے لئے خدا کافی ہے اور اسی نے ہمیں نیکیوں سے نوازا ہے۔

ایک عورت جو شکایت کرنے آئی تھی۔

شدید گرمی تھی اور لوگ اپنے اپنے گھروں میں محو آرام تھے لیکن ایک مظلوم عورت اپنے ظالم اور بے رحم شوہر کی شکایت کرنے کیلئے گھر سے باہر نکل آئی تھی وہ مظہر عدل و انصاف حضرت علیؑ کے دروازہ پر کھڑی ہوگئی یہاں تک آپؑ واپس لوٹ آئے عرض کی میرا شوہر مجھے ستاتا ہے اور ڈراتا ہے آج اس نے مجھے مارنے کی قسم کھائی ہے۔ ٹھہرو ٹھنڈک ہو جانے دو تمہارے ساتھ میں تمہارے شوہر کے پاس جاؤنگا۔ عورت نے عرض کی اگر زیادہ دیر ہوگی تو وہ زیادہ غصہ ہو گئے ڈرتی ہوں کہ میرے لئے مشکل ایجاد نہ کرے حضرت علیؑ نے لمحہ بھر کیلئے سر جھکایا اور پھر سر اٹھا کر فرمایا خدا کی قسم بے دریغ انکے پاس پہنچے جو کہ اپنی بیوی کے ساتھ نیک سلوک روا رکھنے کیلئے تیار نہیں تھا علیؑ نے دروازے پر کھڑے ہو کر اہل خانہ کو سلام کیا ایک جوان باہر نکلا علیؑ نے فرمایا خدا کے بندے خدا سے ڈرو اپنی بیوی کو نہ دھمکاؤ اسے گھر سے نہ نکالو تمہارا اس میں کیا دخل ہے خدا کی قسم تو نے جو سالطت کی ہے اس حرکت پر میں اسے جلاؤنگا۔ حضرت نے فرمایا میں تمہیں اچھی بات کا حکم دیتا ہوں بری بات سے روک رہا ہوں لیکن تم اس پر کان نہیں دھرتے ہو؟ جوان اس وقت علیؑ کو نہیں پہچان سکا تھا یکدفعہ متوجہ ہوا کہ جو بھی انکے قریب سے گزرتا ہے وہ امیر المومنین کہہ کر سلام کرتا ہے اب جوان نے علیؑ کو پہچان لیا خوف کے مارے حالت غیر ہوگئی عرض کی مجھے معاف کر دیجئے خدا کی قسم اب میں اس سے انکساری سے پیش آؤنگا۔ حضرت علیؑ نے تلوار کو نیام میں رکھا اور اس جاہل جوان کی جسارت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے عورت سے فرمایا گھر میں جاؤ لیکن اپنے شوہر کو اتنا غصہ نہ دلانا کہ جس سے وہ تمہارے بارے میں ایسا ارادہ کرے۔

جمیلہ بوپاشا

الجزائری مسلمانوں نے 15 سال فرانسیسیوں کے خلاف آزادی کی تحریک چلائی اس تحریک میں -/1500000 شہید ہوئے اس تحریک میں خواتین نے بھی بھرپور حصہ لیا۔ انہیں میں سے ایک خاتون جمیلہ بوپاشا ہیں اس خاتون نے فرانسیسی سپاہیوں کو ہینڈ بم سے اڑا دیا تھا اس جرم میں جمیلہ بوپاشا اسکا باپ اور اسکا بھائی گرفتار ہوئے۔

فرنچ سپاہیوں نے جمیلہ بوپاشا کو گرفتار کیا اسکی عمر اس وقت 23 سال تھی اور وہ نجات قومی پارٹی سے تعلق رکھتی تھی فرنچ عدالت نے اسکو پھانسی کی سزا سنائی تھی لیکن عالمی ادارے رائے عامہ کے دباؤ سے یہ سزا عمر قید میں تبدیل ہوگئی اس شیر دل خاتون کا بیان ہے کہ 1961ء فروری کی دسویں رات سے گیارویں صبح تک الجزائر کی گشتی اور تجربہ کار پولیس کے 50 سپاہی جیپ اور پولیس ٹرک جیپ میں آئے اور میرے والد کے گھر پر حملہ کر دیا میں بھی وہیں تھی یہ گھر الجزائر کا محلہ دلی ابراہیم میں واقع ہے ان لوگوں میں سے ایک صوبیدار ہے جو الجیار حوالات سے منتسب ہے مجھے وہاں بھی مارا جہاں سے گرفتار کیا تھا اور حوالات لے جانے سے پہلے بھی بے دردی سے پٹائی کی گئی میری بہن کے شوہر عبدی احمد جو کہ اسی گھر میں تھے کو بہت مارا گیا میرے ساٹھ سالہ والد عبدالعزیز بوپاشا پر بھی رحم نہ کھایا گیا ہم تینوں کو الجیار لے جایا گیا اور وہاں بھی مجھ دوبارہ مارا گیا اور گالی گلوچ دی گئی نتیجے میں میں بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑی اسی وقت بعض سپاہیوں اور ایک صوبیدار نے مجھے لاتوں سے مارا اس مار کی وجہ سے میرا بایاں پہلو کٹ گیا ہے۔ پانچ چھ دنوں کے بعد مجھے حسین دی جیل میں منتقل کر دیا گیا اور مجھ سے کہا گیا تمہیں اس جیل میں اس لئے منتقل کیا گیا ہے تاکہ دوسرے درجے کی سزا چکھوں کی اس بات کو میں بعد میں سمجھی کہ دوسرے درجے کی سزا بجلی کی شاک لگانے سے عبارت ہے جب بجلی سے متصل الیکٹرون میرے پستان کی نوک سے چپکے تو ایک شکنجہ دینے والے نے اسے اسکاچ کی پٹیوں کے ساتھ میرے بدن پر چسپاں کر دیا۔ پیر اور میرے چہرہ کو بھی اسی طرح جلا دیا گیا اس طرح مجھے بجلی کے مختلف قسم کے شاک لگائے گئے سگریٹوں سے جابجا میرا بدن جلایا گیا گھونسے مارے گئے اور طرح طرح کی

اذیتیں دی گئیں۔ آخر شکنجہ میں میرا بدن ایک تختہ سے باندھ دیا گیا کہ جس کے دونوں سرے گرم پانی پر ایک ٹیپ کے دو کناروں پر رکھے گئے تھے۔ میری ناک اور منہ کے ذریعے بدن میں پانی پہنچاتے رہے تاکہ بے ہوشی کی وجہ سے موت واقع نہ ہو جائے چند روز کے بعد بیڑی سیل کے ذریعے سے شکنجہ دیا گیا۔ اس شکنجے کی تکلیف تمام شکنجوں سے زیادہ دردناک تھی اس کے بعد میرے بدن کو مخصوص انداز میں باندھ دیا گیا۔ تھوڑی دیر تڑپنے کے بعد میں بے ہوش ہوگئی اور دو روز تک بے ہوش رہی۔ ال بیار جیل میں دو روز رکھنے کے بعد مجھے میرے بھنوی عبدی احمد کے سامنے کھڑا کیا۔ پٹائی اور شکنجوں کے نشان انکے بدن پر بھی موجود تھے انہوں نے میرے ساٹھ سالہ باپ پر بھی رحم نہیں کیا۔

جون 1960ء کے شمارہ سوم کے روزنامہ لوموند میں جمیلہ بوپاشا کی حقیقت پر مبنی داستان پیرس سے چھپا اسکا اثر صرف پیرس نہیں بلکہ پوری دنیا میں ہوا اور غیر معمولی عوامی ردعمل ہوا تھا۔ اسی لئے جمیلہ کی تحقیق کے لئے کمیٹی بنی تھی اس طرح لکھتا ہے "بظاہر یہ ممکن نہیں کہ 23 سالہ جمیلہ بوپاشا کا غم انگیز واقعہ سن کر دنیا والے خاموش رہیں اور کسی ردعمل کا اظہار نہ کریں واقعتا اس دوشیزہ کی داستان غم انگیز نے دنیا کی آزادی پسند سماج کو ہلا کر رکھ دیا ایک دن وہ بھی آیا کہ اسکا ملک آزادی کی نعمت سے ہمکنار ہوا اور جمیلہ بوپاشا بھی قید سے آزاد ہوئی اور پیرس کے جیل خانے سے آزاد ہو کر الجزائر پہنچی۔

ملکہ جوار خاتون المعروف (ددی جواری)

آپ گلگت کے طرہ خان خاندان کے اٹھائیسویں راجہ خاقان مرزہ المعروف مرزا سوئم کی صاحب زادی تھیں۔ خاقان مرزا نے تیس سال کی عمر میں 1632ء کو اپنے چچا علی حیدر خان کے بعد عنان حکومت سنبھالی۔ ملکہ جواری سکردو کے راجہ علی خان اعظم کے فرزند خورد احمد خان سے بیاہی گئی۔ 1635ء کو خاقان مرزا بمعہ اپنے 35 اکابرین گلگت راجہ کمال خان والئی ریاست نگر سے ملنے کے لئے نگر چلا گیا جہاں پر اپنے بااعتماد اکابرین کے ساتھ قتل ہوا، مرزہ خان کی اور کوئی

اولاد نہیں تھی لہٰذا طرہ خان خاندان راجگان گلگت کا تخت شاہی خاندان سے خالی رہا پس معتبران گلگت بمعہ وزیر رشو نے اپنی وفاداری اور مصلحت وقت کے پیش نظر فیصلہ کیا کہ جوار خاتون جو احمد خان کے مرنے سے بیوہ ہوئی تھی کو گلگت لائی جائے لیکن خاندان مقپون راجگان سکردو کی یہ خاندانی روایت تھی کہ جو بھی خاتون بیاہنے کے بعد داخل حرم ہوتی وہ بیوہ ہونے کی صورت میں بھی واپس میکے نہیں جا سکتی تھی۔ وزیر رشو اور معتبران گلگت کی حقیقت پر مبنی کہانی سے راجہ سکردو آدم خان، راضی ہوا اور بڑے احترام سے جوار خاتون کو گلگت روانہ کیا جوار خاتون گلگت پہنچی اگر چہ جوار خاتون ایک مدبر اور لائق حکمران ثابت ہوئی پھر بھی طرہ خان خاندان کا کوئی وارث جوار خاتون کے بعد نہیں تھا لہٰذا معتبران گلگت کے مشورے سے راجہ کمال خان والئی ریاست نگر کے پاس ایک وفد گلگت سے بطرف نگر برائے طلبی رشتہ فردوس علی خان پسر راجہ کمال خان روانہ ہوا راجہ کمال خان نے اپنا بیٹا فردوس کے لئے جوار خاتون کا رشتہ قبول کیا۔ بعد ازاں رسم و رواج کے مطابق شادی کی رسومات انجام پذیر ہوئیں۔ اور شہزادہ فردوس علی خان شاہی قلعہ (قلعہ فردوسیہ) گلگت میں وارد ہوا۔ عرصہ دو سال کے بعد جوار خاتون کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جسکا نام جبی خان (حبیب خان) رکھا گیا۔ اس کے بعد اہالیان گلگت نے آپس میں مشورہ کرنے کے بعد فردوس علی خان کو شکار کے بہانے گلگت سے کنوداس بذریعہ گل بھوج چتر کی ٹہنیوں کے بنے ہوئے رسوں کا معلق پل (Suspension Bridge) لے گئے۔ جب فردوس علی خان نے جونہی پل عبور کیا گلگت کی طرف سے پل کے رسے کاٹے گئے۔ جب فردوس علی خان کو سازش کا علم ہوا تو کنوداس سے پکار کر اپنا بیٹا جبی خان طلب کیا، اسکے جواب میں ایک شخص نے یہ آواز بلند کیا "Kil Chhalie Malo Noosh" یعنی کیل (پہاڑی بکری کے بچے کا باپ نہیں ہوتا ہے یعنی وہ بکری سے منسوب ہوتا ہے یہاں پر ایک بات کی وضاحت نہایت ضروری ہے یہ کہ راجہ کمال خان والئی ریاست نگر نے جوار خاتون کا باپ خاقان مرزہ کو بمع اسکے ساتھیوں کے قتل کرایا تھا پھر بھی اپنے باپ کے قاتل کے بیٹے کے ساتھ شادی پر راضی کیسے ہوئی؟ اصل بات یہ ہے کہ طرہ خان خاندان راجگان گلگت عموماً خالص شاہی خاندان کے ساتھ رشتہ جوڑتے تھے انکی نگاہ میں راجگان ہنزہ و راجگان یاسین وغیرہ کوارگون تھے بدین وجہ جوار خاتون نے اپنے

باپ کے قاتل کے بیٹے کے ساتھ شادی کرنا بہ نسبت ارگون کے پسند کیا جب تخت کا وارث جی خان پیدا ہوا تو اپنے باپ کے قاتل کے بیٹے کو بڑی بے رحمی سے واپس کر دیا۔ گلگت کا شاہی خاندان طرہ خان کے گلگت پر تقریباً 34 پشتوں تک نے حکومت کی اس ہزار سالہ دور میں بہت ناسور جنگ جو راجے گزرے ہیں لیکن آج وہ صرف تاریخی کتابوں تک محدود ہیں انکو اب کوئی نہیں پہچانتا اور نہ ہی کسی کے نام سے کوئی واقف ہے البتہ رانی جوار خاتون جس نے گلگت پر تقریباً 30 یا 32 سال حکومت کی اس مدبرہ خاتون نے مہم جوائی کے بجائے دل جوئی کے کام کئے اپنی رعایا کو بیگار کی لعنت سے آزاد رکھا اپنے درباریوں مدبروں نمبرداروں اور سپاہیوں کو ریاستی اور روایتی جبر سے روکا رعایا خوش حال اور امن و آشتی سے زندگی گزارنے لگی اسکا ۳۲ سالہ دور بیرونی حملہ آوروں سے بچا رہا اس لئے کہ علی شیر خان انچن والئی سکردو نے گلگت سے چترال تک راجوں کو ورطۂ حیرت میں ڈالا تھا۔ اسکے علاوہ راجہ شاہ کمال خان والئی ریاست نگر کی پشت پناہی حاصل تھی چنانچہ اس پر امن ماحول سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رانی جوار خاتون نے گلگت کی آبادکاری کی طرف توجہ دی جوار خاتون کے دور حکومت سے پہلے گلگت کے موضع جات جوٹیال، خومر گچھوٹ اور برمس کا کچھ حصہ اور نو پورہ آباد تھے باقی رقبہ غیر آباد تھا صرف قلعہ فردوسیہ تک روزمرہ استعمال کے لئے پانی کی ایک چھوٹی کوہل جوٹیال نالہ سے قلعہ فردوسیہ نکالی گئی تھی اس کوہل کے پانی سے قلعہ کے اردگرد رقبہ آباد تھا۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ دفاعی اعتبار سے افرادی قوت کو گلگت میں یکجا کرنا بھی ضروری تھا چنانچہ رانی جوار خاتون نے داریلی مزدوروں کے ذریعے کارگاہ نالہ سے دو نہریں تعمیر کرا کر کارگاہ نالہ سے سونیکوٹ تک پہنچایا اور گلگت کو سرسبز بنایا اہل حرفت کی حوصلہ افزائی کی مالیہ جات میں اور بیگار میں اصلاحات کیں جس سے رعایا خوش حال رہی ان غیر معمولی اصلاحات اور آبادکاری کی وجہ سے رانی جوار خاتون (دادی جواری) دادی جواری کے نام سے مشہور ہوئی چنانچہ موجودہ وقت میں بھی گلگت کے چھوٹے بڑے سب ہی دادی جواری کے نام سے واقف ہیں اسکو بطور حاکم نہیں بلکہ دادی کے حوالے سے پہچانتے ہیں انکی رعایا نے اس کی غریب پروری اور رعایا پروری کی وجہ سے دادی تسلیم کیا چنانچہ آج بھی اس کو دادی کے نام سے پکارا جاتا ہے دادی جوار خاتون کے بارے میں

مشہور ہے کہ آپ پاک باز باعصمت اور عبادت گزار خاتون تھیں آپکا زیادہ وقت دیہی خواتین کے ساتھ گزرتا تھا آپ بہادر اور شمشیر زن بھی تھیں۔

حسینہ

حسینہ سکردو میں پیدا ہوئی اور ابتدائی تعلیم سکردو میں ہی حاصل کی آپ کے والد کا نام خداداد ہے حسب معمول آپ کی شادی خانہ آبادی ایک بینکار سے ہوئی جسکا تعلق وادی شگر کے ایک روایتی گاؤں سے ہے۔ حسینہ کا سسرال ایک دیہی اور(Agropastoral) خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ جب حسینہ اپنے سسرال کے گھر پہنچی تو اس کو دیہی ماحول عجیب سا لگا اسی طرح سسرال والوں نے بھی اپنی نئی شہری بہو کو آزمایا تو اس نے زمینداری کے کام کاج سے نابلد پایا اور وہ اپنے گھر میں اجنبی سی لگی۔ حسینہ نے سسرال والوں کے تیور کو سمجھ لیا اور فوراً گھریلو کاشتکاری، گلہ بانی اور مرغبانی کے روزمرہ کے کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگی اور چند دو مہینوں میں روزمرہ کے کام سیکھ گئی تب اسکے سسرال والے اس سے خوش ہوئے۔ اس طرح حسینہ نے سب سے پہلے اپنے گھریلو ماحول کو سنبھالا اور خوش اسلوبی سے اپنے گھر میں اپنی غیر معمولی شخصیت کو منوایا۔ چونکہ حسینہ نے ایک سماجی کارکن کی حیثیت سے سماجی امور میں بھی حصہ لیتی رہتی تھی اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے اپنے گاؤں کی خواتین کی سماجی خدمت کا آغاز کیا۔ اس نے بیمار خواتین کو سکردو ہسپتال پہنچانا، انکا علاج کرانا، واپس گاؤں لانا اسی طرح زچہ و بچہ کی خدمت کرنا شروع کیا اس کے ساتھ اور بھی چھوٹے بڑے کام سرانجام دیتی رہی جب (AKRSP) نے بلتستان میں کام شروع کیا اور اسکے سماجی منتظمین جب شگر پہنچے تو اس وقت ماحول روایتی تھا ایک نئے خیال کو اپنانا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ چونکہ حسینہ پہلے ہی اپنے سماجی خدمات سے اپنے گاؤں کی خواتین میں اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی تھی اسلئے حسینہ کو اپنے گاؤں میں خواتین تنظیم تشکیل دینے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

بقول شاعر چچا غالب

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل	کہ خضر از آب حیوان تشنہ آرد سکندر را

لیکن اس گاؤں کے مردوں نے تنظیم بنانے سے انکار کیا حسینہ مردوں کی تنظیم بنوانے سے معذور تھی اس لیے کہ ایک عورت ہے جب مردوں نے تنظیم نہیں بنائی تو اس کا گاؤں ایک اہم ضرورت روڈ سے محروم ہوا۔ اس لئے AKRSP پر اپنا دباؤ جاری رکھا چنانچہ AKRSP کو مجبوراً حسینہ کی تنظیم کو مردوں کی تنظیم تسلیم کر کے روڈ کی سکیم دینا پڑی۔ ہم حسینہ کی خواتین تنظیم کو خواتین تنظیم نہیں مان سکتے ہیں اسلئے کہ پورے شمالی علاقہ جات بشمول چترال کسی خواتین تنظیم کو ایسی رعایتی سکیم نہیں ملی ہے صرف یہ ایک اکیلی تنظیم ہے جس کیلئے اصول توڑا گیا اور موم کی ناک کی طرح موڑا گیا لہٰذا اصول کو برقرار رکھنے کے لئے ہم مجبور ہیں کہ حسینہ کی تنظیم کو مردوں کی تنظیم میں شامل کریں اس لئے بھی کہ حسینہ نے مردوں سے مزدوری کروائی انکی حاضریاں درج کیں اور ان سے کام لیا حساب کتاب کو درست رکھا اور روڈ کو اپنی مقررہ میعاد کے اندر اور مطلوبہ معیار کے مطابق مکمل کیا۔ اب اس روڈ سے گاؤں کے زن و مرد فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ باصلاحیت خواتین کے شوہروں کو چاہئے کہ وہ اپنی بیویوں کو سماجی خدمات سے نہ روکیں۔ ہر خاتون کو چاہئے کہ حسینہ کی طرح وہ اپنے گھر کے ماحول میں مدغم ہو جائے اور روزمرہ کے کام میں جوش اور جذبہ کے ساتھ شریک ہو جائے۔ عموماً خواتین رو پیٹ کر خاموش ہو جاتی ہیں لیکن اگر وہ حسینہ کی طرح مضبوط ارادے کے ساتھ میدان عمل میں آ جائیں تو اداروں کو اپنے اصول بدلنے پڑتے ہیں اور خاتون وہ کام کر دکھاتی ہے جو مرد کے لئے ممکن نہیں مرد گردن جھکائے مونچھیں نیچی کر کے گینتی اور بیلچے سے زمین کھودنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

بیگم احمد امان ایڈووکیٹ مرحوم

آپ موضع نلت تحصیل نگر-2 ضلع گلگت میں پیدا ہوئیں۔ آپکے والد کا نام محمد ایوب مرحوم ہے جو مغلوٹ خاندان راجگان و میران نگر سے تعلق رکھتا تھا محمد ایوب صاحب نے بحیثیت جونیئر کمیشن آفیسر 48-1947ء کی جنگ آزادی میں بھرپور حصہ لیا تھا اسکے علاوہ 1965 اور

1971 کی جنگ میں بھی حصہ لیا آخر کافی عمر پانے کے بعد فوت ہوا۔

بیگم احمد امان کی شادی اپنے ہی مخلوط خاندان میں احمد امان ایڈووکیٹ موضع بسن تحصیل نمبر 2۔ ضلع گلگت سے ہوئی۔ نوشتہ تقدیر راجہ احمد امان ایڈووکیٹ عین جوانی میں جاں بحق ہوا۔ پسماندگان میں چھوٹے بچے اور ایک بیوہ چھوڑ گیا۔ بیگم احمد امان کا خاندان ایک متمول خاندان ہے اگر وہ کچھ بھی نہ کرتیں پھر بھی اسکے دن گزرنے والے تھے پھر بھی اس خاتون نے کمر ہمت باندھ اور میدان عمل میں کود گئی AKRSP سے مرغبانی کی تربیت حاصل کر کے مرغبانی کا کام شروع کیا یہ کام کوئی آسان کام نہ تھا۔ AKRSP کی مراعات بند ہوتے ہی مرغبانی میں کوئی فائدہ نہیں رہا بلکہ نقصان اٹھانا پڑا۔ دریں اثناء نونہال ڈویلپمنٹ آرگنائزیشن جعفر آباد نگر کے ساتھ منسلک ہو گئی اور سلائی کڑھائی کا مرکز کھول لیا اس مرکز میں تقریباً 150 لڑکیاں سلائی کڑھائی کا کام سیکھ چکی ہیں مزید سیکھ رہی ہیں اس مرکز نے کم از کم 50 خواتین کو مستقل روزگار دلایا ہے اس مرکز میں ملبوسات سل کر تیار ہوتی ہیں اور گلگت مارکیٹ میں بکتی ہیں۔ اس باہمت خاتون نے اپنی مصنوعات جو مقامی طور پر مارکیٹ نہ ہو سکیں اسلئے کہ سیاحوں کی آمد بند ہو گئی چنانچہ اپنی مصنوعات لیکر اسلام آباد گئی اور وہاں پر اپنی مصنوعات کو فروخت کر کے واپس آئی۔ اس باہمت خاتون نے نہ صرف اپنے خاوند کے ایگریکلچر بینک کا قرض ادا کیا بلکہ اپنے نونہالوں کو معیاری سکولوں میں تعلیم بھی دلا رہی ہے سب سے اہم بات یہ ہے کہ اپنے گاؤں کی بے روزگار خواتین کی ایک تعداد کو روزگار کے مواقع بھی فراہم کئے ہیں ایک دیہات میں سلی ہوئی ملبوسات کا شہر میں مقبول ہونا ایک بڑی سبق آموز قابل تقلید پیش رفت ہے۔

مہر پروین

آپ محمد آباد دنیور کی سکونتی ہیں پرائمری تک ابتدائی تعلیم دنیور سے حاصل کی۔ آپکی شادی خانہ آبادی محلہ محمد آباد میں ہوئی آپکا کہنا ہے کہ آپ کا شوہر ایک غیر ذمہ دار اور لاپرواہ شخص ہے چونکہ علاقے کی روایات کے مطابق خواتین طلاق لینا پسند نہیں کرتی ہیں اور ہر طریقے سے

اپنے شوہر کی وفادار رہتی ہیں چنانچہ مہر پروین نے بھی اپنے لاپرواہ شوہر کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا۔ جب اسکا شوہر اپنے بھائیوں سے الگ ہوا تو اسکے حصے میں سر چھپانے کے لئے کوئی مکان نہیں ملا صرف چار کنال اراضی حصہ رسدی میں آئی ۔ اس باہمت خاتون نے AKRSP سے مرغبانی، ماہر فصلات، ماہر باغات کی تربیت حاصل کی۔ اسکے بعد اس تربیت کے حوالے سے کام شروع کیا کم زمین سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا چھوٹے پیمانے پر مرغبانی بھی شروع کیا اپنی کمائی کی آمدن سے مکان بھی بنایا اور بچوں کو تعلیم دلاتی رہی ساتھ ہی گھر کے اخراجات بھی پورے کر رہی ہے۔ اب وہ اپنے خاندان کے ساتھ ایک کامیاب زندگی گزار رہی ہے اس کامیابی کا صرف ایک ہی راز ہے وہ یہ کہ وہ کنیز نہیں مالک ہے وہ اپنے فیصلے خود کرتی ہے، وہ دایہ نہیں ماں ہے، وہ محکوم نہیں بلکہ حاکم ہے، وہ ایک ماں ہے اور وفادار بیوی ہے اور یہ کامیابی آزادی نسواں کا ثمرہ ہے آپ باپردہ خاتون ہیں۔ آپ نے اپنے پردے (حجاب) سے ثابت کیا کہ پردہ ترقی میں رکاوٹ نہیں بلکہ بے پردگی ترقی میں رکاوٹ ہے آپ یہ کہتی ہیں Women Rights Forum تشکیل پانی چاہیے۔

پری طاؤس

آپ موضع کچھ تحصیل پونیال ضلع غذر سے تعلق رکھتی ہیں آپ ایک باوقار اور باپردہ خاتون ہیں آپ سناتی ہیں کہ جب اسکا شوہر جو عمر میں اپنے بھائیوں سے چھوٹا ہے حسب دستور اپنے بھائیوں سے الگ ہوا تو حصہ رسدی میں ایک سلائی مشین 12 مرغیاں اور ایک من گندم اور چار کنال زمین ملی اب گھر میں کھانے والے چھ نفر جب ایک من گندم ختم ہوئی تو آزمائش کا وقت آ گیا میرے شوہر نے اپنے بڑے بھائی جسکے بیٹے ملازم ہیں گندم مانگا تو اسکے بھائی نے کہا کہ میرے کھیتوں میں تیار گندم کی کٹائی کرو اور گندم لے جاؤ۔ میرے شوہر نے ثقافتی شرمندگی کے تحت گندم کٹائی سے انکار کیا لیکن میں نے بچے پالنے تھے لہٰذا رات کو خود گندم کٹائی میں لگ گئی کئی راتوں میں گندم کی کٹائی مکمل ہوگئی اور میں نے ایک من گندم حاصل کیا چونکہ میں درزن ہوں دن رات لوگوں کے کپڑے سینے لگی اور زنانہ ٹوپیاں بنانے لگی رات کو میرے گھر میں لال

یمن یا چمنی قسم کی کوئی چیز نہیں تھی لہٰذا آگ پکڑنے والی لکڑی (چیز) کی جڑیں جس کو شینا میں 'لئی' کہتے ہیں کی روشنی میں کام کرتی رہی۔ میرے خاوند نے بڑے بیٹے کو کسی ہوٹل یا کسی ورکشاپ میں مزدوری پر لگانے پر زور دیا لیکن میں نے انکار کیا اور اسکو سکول میں داخل کیا۔ انہی دنوں میں میری بچی خبر لائی کہ گاؤں میں چند لوگ آئے ہیں اور عورتوں کو بلا رہے ہیں چنانچہ میں گئی اور گاؤں کی خواتین میں شامل ہوگئی۔ قصہ مختصر گاؤں کی خواتین تنظیم تشکیل پائی اور میں تنظیم کی صدر بنی۔ AKRSP نے مجھے مرغبانی اور سبزی کاشت کرنے کی تربیت دلادی چنانچہ میں نے اپنی کم زمین میں سبزیاں اگائیں اسکے ساتھ ہی مرغبانی شروع کی جب تک AKRSP کی ٹرانسپورٹ کی سہولت تھی تب تک میں فائدے میں رہی لیکن جونہی ٹرانسپورٹ کی سہولت بند ہوگئی مرغبانی کا کاروبار خسارے سے دوچار ہوا۔ تب میں نے دیسی مرغیوں سے دیسی طریقے سے مرغبانی شروع کی جس سے میں بہت فائدہ اٹھا رہی ہوں۔ میری سبزی، مرغیاں اور انڈے میرا شوہر گاہکوچ اور گلگت لیجا کر فروخت کرتا ہے۔ مختصراً میں نے لاکھوں روپے کمائے اور اپنے بچوں کو تعلیم دلائی۔ میری دو بیٹیاں ڈاکٹر ہیں اور دوسرے برسر روزگار ہیں اور زیر تعلیم ہیں۔ یہ خاتون AKRSP کی احسان مند ہے۔ محترمہ پری طاؤس ایک خوش حال اور کامیاب زندگی گزار رہی ہے جو آزادی کا پھل ہے آپ ایک ماں ہیں دایہ نہیں۔ آپ حاکم ہیں محکوم نہیں، آپ آزاد ہیں کنیز نہیں آپ اپنے فیصلے خود کرتی ہیں آپ ایک وفادار بیوی ہیں آپ باحجاب ہیں اور آپ نے اپنے حجاب سے ثابت کیا ہے کہ حجاب ترقی میں مانع نہیں۔ بلکہ حجاب میں عزت نفس وقار شرم حیا اور عفت پوشیدہ ہے۔

سفینہ صدیقی

سفینہ صدیقی کراچی ایڈمنسٹریشن ویمن ویلفیئر سوسائٹی کی صدر ہیں اسکا تعلق کراچی کے متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے علاقے سے ہے۔ وہ 1998ء سے اس علاقے میں رہائش پذیر ہیں برسوں تک انکا علاقہ مسائل کا گڑھ بنا رہا۔ 1992ء میں اہل محلہ نے محسوس کیا کہ انکے گھروں میں آلودہ پانی فراہم کیا جارہا ہے جسمیں گٹر کے پانی کی آمیزش بھی ہے چنانچہ انکی تنظیم

نے فوری طور پر پانی کے نمونے حاصل کئے اور لیبارٹری سے انکا تجزیہ کرایا۔ پانی واقعی آلودہ تھا انہوں نے تجزیاتی رپورٹ کی کاپیاں بنا کر پورے محلے میں تقسیم کر دیں تاہم کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس معاملے میں کیا کرنا چاہئے۔ اسی دوران سفینہ صدیقی نے ایک سیمنار میں شرکت کی جہاں چیف جسٹس بھی موجود تھے۔ انکی تقریر کے بعد اس نے حاضرین میں اٹھ کر کہا کہ حق مانگنے کے لئے پہلے وکیل کو -/25000 تا -/100000 روپے فیس ادا کرنی پڑتی ہے ہم یہ کہاں سے ادا کریں۔ جناب چیف جسٹس نے کہا کہ کچھ اور کرنے کے بجائے اگر سادہ زبان میں ہم اپنا مسئلہ ان تک پہنچادیں تو وہ اس پر ضرور غور کرینگے۔ سفینہ صدیقی نے فوری طور پر پانی کی تجزیاتی رپورٹ تیار کی اور اپنے علاقوں کے گٹروں سمیت صفائی کی خراب صورت حال اور کھلے برساتی نالوں میں رہائشی فضلات کے بہاؤ کے خلاف تفصیلی رپورٹ کے ساتھ جناب چیف جسٹس کو ارسال کر دی۔ 15 دنوں کے اندر اندر عدالت نے انہیں طلب کر لیا اسکے علاوہ ہماری سوسائٹی کے عہدیدار اور کراچی کے واٹر اینڈ سیوریج بورڈ کے آفیسران کو بھی بلایا گیا تھا سفینہ نے عدالت میں سیوریج نظام کی مزید تصویریں اور ایک ٹوٹا ہوا پائپ بطور ثبوت پیش کیا۔ عدالت کے استفسار پر سوسائٹی کے سیکریٹری نے کہا کہ مسئلہ کچھ بھی نہیں ہے اور یہ خواتین صرف شہرت حاصل کرنا چاہتی ہیں اس جملے پر عدالت نے سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور کہا کہ علاقے کے مسائل ایک ماہ میں حل کئے جائیں۔ واضح احکامات کے باوجود سوسائٹی کے سیکرٹری نے ایک ماہ کے بجائے صورت حال بہتر بنانے میں تین ماہ صرف کر دیئے انہوں نے اس دوران اس پر مسلسل دباؤ ڈالتے رہے دوسری طرف سوسائٹی کی طرف سے ان پر دباؤ ڈالا جانے لگا۔ انتظامیہ کی طرف سے سفینہ کے گھر کے لئے پانی کی فراہمی بند کر دی گئی۔ سفینہ نے فوراً ایک ٹیلیگرام کے ذریعے عدالت کو مطلع کیا تو پانی کی فراہمی بحال کر دی گئی عدالت کی جانب سے کراچی کے میئر اور کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ کے مینجنگ ڈائریکٹر کو طلب کر لیا گیا۔ دونوں حاضر نہیں ہوئے۔ عدالت نے انہیں توہین عدالت کے نوٹس جاری کئے عدالت کے استفسار پر واٹر بورڈ نے بتایا کہ اس علاقے میں ہم انفرادی صارفین سے ٹیکس وصول کرتے ہیں لیکن ابھی تک ہم نے اس علاقے میں فراہم اور نکاسی آب کے آپریشن اور مینجمنٹ کا انتظام نہیں سنبھالا ہے۔ اس لئے یہ سوسائٹی کے زیر انتظام ہے عدالت کی طرف

سے کہا گیا کہ اگر ہم ٹیکس ادا کرنے والے لوگ ہیں تو پھر ہمیں بہتر خدمات کیوں نہیں انجام دی جاتی ہیں اگر یہی سلسلہ جاری رہا تو پھر عوام کو ٹیکس کی ادائیگی سے روکا جا سکتا ہے اس تبصرے نے کے ایم؟ سیوریج اینڈ واٹر بورڈ میں مل چل مچا دی اور دونوں محکموں کی جانب سے صورت حال بہتر بنانے کی یقین دہانیوں کے بعد علاقے میں پانی کی ترسیل کا نظام بہتر بنا دیا گیا۔ اس مقدمے کی سماعت کے دوران عدالت کے انتباہ پر بلدیہ عظمیٰ کراچی اور اسکے ذیلی ادارے واٹر اینڈ سیوریج بورڈ نے فوری طور پر علاقے کے بلدیاتی امور سنبھال لئے۔ مخدوش گٹر لائنیں تبدیل کی گئیں اور پانی کی لائنوں کو گٹر لائن سے 3 فٹ دور ڈالا گیا اس کے علاوہ علاقے کے لئے پینے کے پانی کے ذخیرے کے لئے ایک بہت بڑا زیر زمین حوض بنایا گیا تا کہ پانی کی قلت دور ہو سکے اس کے بعد 60 ہارس پاور کی پمپنگ مشین لگوائی گئی۔ Public Interst Litigation کے تحت اس مقدمے میں پہلی بار پینے کے پانی کی فراہمی اور معیار کو بحیثیت ایک بنیادی حقوق پیش کیا گیا؟ یہ مقدمہ سپریم کورٹ کے فل بنچ نے سماعت کی؟

انتظامیہ کے ساتھ چپقلش نے سفینہ صدیقی اور اسکے رفقائے کار کو بہت سی کار آمد باتوں سے آگاہ کر دیا۔ سفینہ خواتین کے وفد کے ساتھ سرکاری دفتروں کا دورہ کرتی تھیں بلند آواز میں احتجاج کرتی تھیں انہوں نے یہ سیکھا کہ درخواست ہمیشہ درست محکمے میں دینی چاہیئے وفد کے پاس درخواست کی نقل ہونی چاہیئے۔ تا کہ اس پر سرکاری دفتر میں وصولی کی مہر تاریخ اور دستخط ثبت کرائے جا سکیں۔ یہ نقل بعد ازاں ثبوت کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے۔ بہتر مسئلہ جس علاقے کا ہو صرف وہیں کے باشندے ہی مسائل کے حل کے لئے سنجیدہ کوشش کر سکتے ہیں باہر سے آ کر کوئی دوسرا فرد مسائل احل نہیں کر سکتا۔

شمع چراغ

شمع چراغ موضع بسین کی رہنے والی ہیں اور 8 بچوں کی ماں ہیں۔ آپ بچپن سے ہی صلاحیتوں کی مالک ہیں۔ چنانچہ اسی جذبے کے تحت آپ نے اپنے گاؤں میں

10 خواتین پر مشتمل ایک تنظیم تشکیل دے کر ماحول کے فکری جمود میں حرکت پیدا کی دیہی ماحول کے لئے تنظیم بنانا ایک نیا خیال اور تصور تھا۔ لہٰذا لوگوں نے اس تنظیم کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھا بلکہ مخالفت بھی کی انہی دنوں میں آپ نے فوجی فاؤنڈیشن سے سلائی اور کڑھائی کی تربیت حاصل کی اور اپنے گاؤں میں اپنے مکان کے ایک کمرے میں گاؤں کی نادار خواتین کو سلائی اور کڑھائی کا ہنر سکھانا شروع کیا اس طرح کم از کم 30 خواتین کو سلائی کڑھائی کا کام سکھایا اسی دوران اسکا شوہر قضائے الہیٰ سے فوت ہوا۔ اب شمع چراغ اور اسکے 8 بچوں کی کفالت کا بوجھ خود شمع چراغ پر پڑا۔ پس گزراوقات کے لئے اس نے مختلف محکمہ جات سے مختلف تربیتی کورس پورے کئے۔ اسکے بعد سبزیاں اُگانا، مرغیاں پالنا اور ماہی پروری کے پیشے اختیار کئے جس سے اسکی معاشی حالت درست ہوئی اور بچوں کی تعلیم جاری رہی مختلف محکموں سے روابط رفاہی اور پیداواری کام اور قائدانہ صلاحیتوں کو دیکھ کر گاؤں والوں نے اسکو دیہی کونسل کی چیئر پرسن منتخب کیا۔ آپ بیک وقت خواتین تنظیم کی صدر سہارا ویلفیئر آرگنائزیشن کی چیئر پرسن بھی ہیں اور دیہی کونسل کی چیئر پرسن بھی۔

فریدہ بتول

آپ نے ابتدائی تعلیم سکردو سے حاصل کی بی اے اور بی ایڈ کی ڈگریاں پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کیں۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد درس و تدریس سے کچھ عرصہ کے لئے منسلک ہوگئیں بعد میں برطانیہ کے شہر ایڈنبرا سے کیمونٹی انوالومینٹ میں تربیت حاصل کی، فریدہ بتول نے ایک منجمد قدامت پسند اور روایتی معاشرے کی ثقافتی شرمندگی (کلچرل شیم) کے حصار کو توڑا اور خواتین کے لئے جدید تعلیم حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا بلتستان جہاں اردو، انگریزی اور سائنس پڑھنا لڑکوں کے لئے حرام تھا خواتین کی بابت تو استغفراللہ، کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا اس حساب سے آپ کو کافر کہنا غلط نہیں ہوگا۔ لیکن اس قسم کا کفر مقدس کفر کہلاتا ہے جیسے طاغوت کا کافر آپ نے بلتستان کے جفاکش خواتین کے عنوان سے ایک مضمون قومی اخبار میں چھپوایا چونکہ شمالی علاقہ جات کی وادیاں، جزیروں کی طرح الگ الگ ہیں اس لئے خواتین کو ایک

دوسرے کی طرز زندگی (معاشرتی زندگی) کا علم نہیں ہے لہٰذا فریدہ بتول صاحب کا مضمون من وعن سپرد قلم کرتا ہوں تاکہ خاتون بلتستان کی معاشرتی زندگی سے گلگت غذر اور دیامر کی خاتون باخبر ہو۔

تاریخی اعتبار سے ماضی میں بلتستان کی خواتین کے کچھ درخشندہ کارنامے ہمارے لیے مشعل راہ ہیں ان عظیم خواتین میں سرفہرست محترمہ گل خاتون (مندوق گیلمو) سکردو کے مشہور راجہ علی شیر خان انچن کی بیگم تھی نے سکردو کے لئے ایک نہر تعمیر کروائی جسے (گنگوپی پرکونگ) کہا جاتا ہے یہ نہر آج بھی سکردو میں آب پاشی کا ایک مربوط نظام فراہم کر رہی ہے اس کے علاوہ گل خاتون نے بلال باغ اور پھول محل بھی بنوائے۔ ایک اور خاتون جوروندو کے راجہ علی خان کی بیگم تھیں۔ ایک عالی شان مسجد تعمیر کروائی بلتستان میں بعض معاشرتی پابندیوں اور خواتین میں تعلیم کے فقدان کے باوجود بے شمار گھرانے ایسے ہیں جو دینی تعلیم کی اہمیت سے بخوبی آگاہ ہیں اور اپنی اولاد کو اسی طریقے سے زیور تعلیم سے آراستہ کرتے ہیں مہمان نوازی، ایمانداری، وفاداری اور بلند اخلاق جیسے خصائل اس معاشرہ کی گھٹی میں پڑے ہیں۔ ان خصوصیات کا چرچا نہ صرف پاکستان بلکہ بیرون ممالک میں بھی موجود ہے ان خوب صورت روایات کو زندہ رکھنے کے لئے ہماری خواتین ہمیشہ کوشاں رہتی ہیں کیونکہ یہ ہمارے اسلاف اور بزرگوں کی اعلیٰ روایات میں شامل ہیں اسی لئے بلتستان کو شمالی علاقہ جات کا لکھنو کہا جاتا ہے۔ یہاں کے لوگوں کو ادب سے بے انتہا شغف حاصل ہے۔ موجودہ زمانے میں انگریزی علوم کے احیاء سے مذہبی تعلیم سے توجہ ہٹ گئی ہے۔ فارسی ادب کا مطالعہ قصہ پارینہ بن چکا ہے گلستان و بوستان پڑھنے والے خال خال موجود ہیں اس لئے اس خوبصورت تہذیب وتمدن پر مغرب کی چھاپ لگنی شروع ہوگئی ہے۔ لوگوں نے اس تبدیلی کو محسوس کرنا شروع کیا ہے زراعت اس علاقے کا سب سے بڑا اہم شعبہ ہے۔ کھیتوں کو کھاد اور پانی دینا گوڈی کرنا فصل سمیٹنا اور اسے آخری مرحلے تک پہنچانا عورت کا کام ہے۔ بلتستان کی خواتین کی جفاکشی کا اندازہ یوں لگائیے کہ گرمیوں میں مختلف وادیوں کے دیہات سے تعلق رکھنے والی خواتین کی بڑی تعداد زیادہ عرصہ پہاڑوں کی سرسبز چراگاہوں میں رہ کر مال مویشی کی دیکھ بھال کرتی ہیں۔ مکھن جمع کرتی ہیں۔ اور چراگاہوں سے واپسی پر ریوڑ کے ساتھ پیٹھ پر لکڑیاں بھی

دھوئی جاتی ہیں۔خوبانی کو درختوں سے اتارنا اور اسے خشک کرنا خواتین کا کام ہے۔خواتین گری کا تیل نکالنا بھی جانتی ہیں۔صبح شام محنت کرنے کے علاوہ گھر میں بچوں کی دیکھ بھال کرنا کھانا پکانا اور دودھ دوھنا یعنی خواتین اپنے معاشرے میں سماجی اور معاشی لحاظ سے کس قدر اہم کردار ادا کرتی ہیں۔شمالی علاقہ جات خصوصاً بلتستان میں اب بھی لڑکی کے مقابلے میں لڑکے کو زندگی کے ہر میدان میں فوقیت حاصل ہے۔لڑکے کی پیدائش پر بڑی خوشیاں منائی جاتی ہیں۔جب کہ لڑکی کو اہمیت حاصل نہیں لڑکے کیلئے اچھی خوراک اچھا لباس بہتر علاج اور معالجہ تعلیم کی بہتر سہولت اور دوسری طرف بیٹیوں کو تمام سہولیات سے محروم رکھا جاتا ہے۔وہ پہلے ہی اپنے والدین کے گھر میں احساس محرومی کا شکار رہتی ہیں۔پھر نہایت چھوٹی عمر میں اس کی شادی ہوتی ہے؟ بلتستان پاکستان کے سرد ترین علاقوں میں شمار ہوتا ہے۔یہاں بچیاں گرم علاقوں کی نسبت کافی دیر سے بلوغت کی عمر کو پہنچ جاتی ہیں۔لہٰذا کم عمری کی شادی اور بچوں کی پیدائش سے عورتیں کئی تکالیف میں مبتلا ہو جاتی ہیں اگر ہم مثبت پہلو کو سامنا رکھیں؟ تو خدا کا شکر ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ حالات بھی بہتری کی طرف مائل ہیں۔شہروں اور قصبوں کی حد تک زندگی کے کچھ شعبوں میں خواتین رواں دواں نظر آتی ہیں۔ان شعبوں میں صحت اور تعلیم کے شعبے شامل ہیں۔کچھ خواتین این۔جی۔اوز کے ساتھ بھی کام کر رہی ہیں۔خواتین اصحت، بنیادی تعلیم کے علاوہ مختلف ہنر سیکھ رہی ہیں ان شعبوں کو مزید بہتر بنایا جاسکتا ہے۔آغا خان فاؤنڈیشن نے بھی بلتستان کلچر فاؤنڈیشن کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے۔جو بلتستان کی قدیم روایات کو دوبارہ اسی حالت میں محفوظ کرانے کیلئے کام کر رہی ہیں۔اساتذہ کی نگرانی میں قدیم انداز کی ایمبرائیڈری سکھائی جارہی ہیں۔یہ بچیاں ادارے کیلئے چیزیں تیار کر کے دیتی ہیں۔اور ادارہ انہیں معاوضہ دیتا ہے۔اس سے بچیاں ہنر سیکھنے کے ساتھ ساتھ روزگار بھی حاصل کرتی ہیں۔

خواتین کی خودکشیوں اور ناانصافیوں کا تدارک کیسے

طاقت کا توازن جسمانی لحاظ سے مرد بہ نسبت عورت کے طاقتور ہے۔لہٰذا مرد نے اپنی

طاقت کے بل بوتے پر عورت کی شخصیت کو پامال کیا اور اس سے بطور ایک چیز کے سلوک روا رکھا جنسی اختلاف کو طبقاتی اختلاف بنا دیا۔ اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ عورت جسمانی اعتبار سے کمزور ہے بقول علامہ اقبال" ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات، پس عورت سے کوہلو کے بیل جیسا کام لیا جاتا رہا۔ لیکن اب مذکورہ طاقت کا توازن کئی اعتبار سے بدل گیا ہے۔ جمہوریت میں ووٹ ایک طاقت ہے چنانچہ ووٹ کی طاقت کے اعتبار سے مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں چونکہ شمالی علاقہ جات میں مردوں کی آبادی ملازمت اور مزدوری کی وجہ سے خواتین سے کم ہے لہذا اس وقت جمہوری قدروں کے لحاظ سے عورت مرد سے طاقتور ہے۔ لہذا اب وقت کا تقاضا ہے کہ خواتین اپنی جمہوری طاقت کو اپنے حقوق کے حق میں اور ناانصافیوں کے خلاف استعمال کریں۔ اب خواتین کو گھبرانے اور ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ جس شیر سے وہ ڈرتی ہیں (مرد) وہ مولٹی فوم والا اشتہاری شیر ہے حقیقی جنگل والا شیر نہیں ہے انتخابی کمپین چلاتے وقت مکہ لہرانے اور غرانے سے عورتوں کو غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔

خواتین کیوں خودکشی پر مجبور ہوتی ہیں یہ بات خواتین ہی بہتر سمجھتی ہیں لہذا اگر خواتین اپنے ووٹ کی طاقت کا دانشمندانہ استعمال کرینگیں تو انکی آواز ایوانوں تک پہنچے گی اور ارباب حل عقد کو مسائل کی طرف متوجہ کروا سکیں گی پس پرامن ابرومندانہ اور دانشمندانہ قانونی اور شرعی حل صرف یہی ہے کہ خواتین کو اپنا ووٹ اپنے حق میں استعمال کرنا چاہیے۔ جب خود اقتدار میں نکلیں تو اپنے مسائل خود حل کرینگی دوسری طاقت علم اور ہنر ہے۔ جسکو اب خواتین نے بھی حاصل کیا ہے۔ پس خواتین ووٹ کی طاقت اور علم و ہنر کی طاقت سے اپنی تقدیر بدل سکتی ہیں۔ جس سے خودکشیوں کا سلسلہ خود بہ خود ختم ہوگا۔ مستقبل میں شاہراہ قراقرم کی مزید توسیع اور مرمت ہو کر بھاری ٹریفک کے لئے کھولی جائیگی ساتھ ہی وسطی ایشائی ممالک سے بھی اسی شاہراہ کے ذریعے تجارت ہوگی۔ تجارتی اشیاء کی رسائی گوادر کی بندرگاہ تک ہوگی۔ اس سے ایک نئی صورت حال پیدا ہوگی۔ اس صورت حال سے دانشمندانہ فائدہ اٹھانے کی بابت ابھی سے سوچا جائے بڑھتی ہوئی آبادی کی کفالت زراعت نہیں سنبھال سکیگی۔ لہذا خواتین کو کمپیوٹر ٹکنالوجی اور دوسرے ہنر اور

تربیت سے آراستہ کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ جس کا اس سے قبل بھی ذکر ہو چکا ہے۔

مادر ملت محترم فاطمہ جناحؒ ایک مثالی بہن۔

رسول اسلامؐ نے خاتون جنت فاطمۃ الزہراؑ کو بحیثیت ایک مثالی بیٹی، مثالی بیوی اور مثالی ماں کی مکمل تربیت کی تھی۔ چونکہ خاتون جنت کا کوئی بھائی نہیں تھا اس لئے ایک مثالی بہن کا کردار باقی تھا۔ چنانچہ اس خلا کو جناب زینبؑ خاتون خواہر امام حسینؑ نے پُر کیا۔ سن ۶۱ ھ کو جناب زینبؑ خاتون اپنے دونوں بیٹے عون و محمد کے ساتھ کربلا کے میدان میں اپنے بھائی حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر تھیں، میدان کربلا میں جناب زینبؑ خاتون نے ایثار قربانی صبر و تحمل اور بلند حوصلگی کا وہ بے مثال ایسا بہنا پا پیش کیا جسکی نظیر پیش کرنا ممکن نہیں حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے نہ صرف اپنے دونوں فرزندوں کو بھائی کے مشن پر قربان کیا بلکہ اپنی بہنا پا اور ماممتا سے کربلا سے کوفہ، کوفہ سے شام اور پھر مدینہ تک حسینی پیغام کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔

حدیث عشق دو باب است کربلا و دمشق

یکے حسین رقم کرد دیگرے زینبؑ

اس سے قبل مثالی خواتین کے ذکر میں جناب زینب خاتون کا ذکر شجاعت، حوصلہ، ہمت، جرات کے عنوان سے ہوا ہے۔ تا کہ خواتین سیرت زینبیہ پر عمل کرتے ہوئے حالات اور وقت کے جبر کے ساتھ مقابلہ کریں نہ کہ خودکشی یہ سچ ہے کہ ہر کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ چنانچہ مادر ملت فاطمہ جناب کا بہنا پا ایک مثالی کردار رہا ہے میں تو یہ عرض کرونگا کہ مادر ملت نے یہ سبق جناب زینبؑ خاتون سے لیا تھا۔

اگر چہ تاریخ میں طرابلس کی فاطمہ بنت عبداللہ۔ جس پر مفکر پاکستان حضرت علامہ اقبالؒ نے ایک نظم بھی لکھی ہے کا ذکر موجود ہے۔ فلسطین کی الفتح تنظیم کی گوریلا مجاہدہ۔ فاطمہ برنادی۔ تحریک پاکستان کی رہنما فاطمہ بیگم جنکو حکومت پنجاب نے حسن کارکردگی کی بنا پر تحریک

پاکستان گولڈ میڈل سے نوازا۔ ڈاکٹر فاطمہ شاہ بھی گزری ہیں جنہوں نے بیگم لیاقت علی خان، رعنا لیاقت کے ساتھ ملکر APWA تنظیم کی بنیاد ڈالی اسکے علاوہ نابیناؤں کی ایسوی ایشن کی بنیاد ڈالی ان تمام فاطماؤں نے بے مثال کردار ادا کیا۔ لیکن مادر ملت کا بہناپا ایک الگ منفرد مثال ہے فاطمہ جناح نے بحیثیت بہن کے اپنے بھائی کے ہر دکھ ہر مشکل اور تنہائی میں اسکی ڈھارس بنی رہیں۔ وہ اپنے بھائی کے ساتھ سایہ کی طرح ساتھ رہیں اور اپنے بہناپا سے ثابت کر دیا کہ ہر بڑے آدمی کی کامیابی کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ ایک مثالی بھائی کی مثالی بہن جسکی ایثار قربانی نے بھائی کے مشن کو کامیابی سے ہمکنار کیا اور ملت نے ماں تسلیم کیا ملت کو اپنی ماں کی ممتا کی قدر دانی کرنی چاہیے۔ اس ممتا کا تقاضا ہے کہ ہم ممتا کے قوام سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اسکی شفقت بھری نصیحتوں پر عمل کریں جو یہاں پر چند ایک سپرد قلم کی جاتی ہیں۔ جناب کے۔ ایچ خورشید حضرت قائداعظم کا ذاتی سیکریٹری تھا۔ اس حوالے سے خورشید صاحب مادر ملت کے عزیز تھے جب کے۔ ایچ خورشید کی شادی ہوئی تو دلہا اور دلہن کو مادر ملت نے اپنے پاس کراچی بلایا اور فلیگ ہاؤس کراچی میں اپنے پاس رکھا۔ بیگم کے۔ ایچ خورشید ایک سیانی دانشمند خاتون ہیں آپ نے مادر ملت سے کئی اہم سوالات کیے جنکے جواب مادر ملتؒ نے دیئے من جملہ ان میں خواتین کی بابت بھی سوالات کے جوابات دیے ہیں وہ یہاں سپرد قلم کیے جاتے ہیں تاکہ کتاب کی تالیف کے مقصد سے قاری قریب تر ہو سکے۔

سوال:۔ آپ کے پاس عورت کا کیا درجہ ہے؟

جواب۔ عورت کو کئی قسم کے امتحانات سے گزرنا پڑتا ہے اس لئے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہی بہتر ہے کہ وہ عقلمندی اور حکمت سے اپنی زندگی کو خوب صورت اور خوش حال بنانے کی کوشش کرے اور ان باتوں پر شاکی نہ ہو کہ وہ عورت ہے اور مرد اسے ادنیٰ سمجھتا ہے اب حالات بدل چکے ہیں اور ترقی یافتہ دنیا میں عورت کی حیثیت پہلے سے بہت بہتر ہو گئی ہے۔ لیکن اسکے باوجود اس سے یہ ہرگز نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ عورت ہے مرد جب اپنی من مانی پر آجائے تو عورت کے احساسات اسکی نگاہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے اس لئے بہتر یہی ہے کہ عورت کا ہر فعل ایسا ہو کہ مرد کو

دم مارنے کی گنجائش نہ رہے کیونکہ ان خامیوں کیساتھ قدرت نے عورت کو مرد کی سب سے بڑی کمزوری بھی بنایا ہے۔

عورت زندگی کے ہر شعبے میں صرف اس لئے پیچھے رہی کہ مرد نے کبھی اسے آگے آنے کا موقع ہی نہیں دیا کہ وہ بھی باہر نکل کر مرد کی طرح آزادانہ فضا میں سانس لے اور ایک آزاد انسان کی سی زندگی بسر کرے چنانچہ ایک عورت کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ وہ مرد پر قابو پائے اور اسکے جذبات اور احساسات کو سمجھے کیونکہ مرد برتری کے باوجود بعض باتوں میں بہت سادہ ہوتے ہیں صرف ذرا سی توجہ اور تھوڑی سی محبت ہی انسان کو انسان کے قریب لے آتی ہے بلکہ چھوٹی چھوٹی غیر اہم اور معمولی باتیں بھی انسان پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

میں سمجھتی ہوں ایک اچھی عورت بیوی اور ماں کی حیثیت سے پورے معاشرے کا نظام بدل کر رکھ سکتی ہے لیکن کئی عورتیں اس بات کو نہیں سمجھتیں کہ ہمارے معاشرے کی تمام خرابیوں کو صرف عورت ہی درست کر سکتی ہے اگرچہ یہ اتنا آسان کام نہیں اس کے لئے مسلسل جدوجہد اور کوشش درکار ہے لیکن ایک بار اگر آپ اس نظریے سے سوچنا شروع کریں تو پھر کچھ مشکل نہیں رہتا

سوال:۔ محترم فاطمہ جناح صاحبہ عورت کی زندگی کے بارے میں مزید کچھ بتایئے آپ کا اس بارے میں کیا نظریہ ہے؟

جواب۔ انسان کتنا احمق واقع ہوا ہے سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی حماقتیں کرتا ہے زندگی اتنی مختصر ہے کہ ماہ وسال پلک جھپکنے میں گزر جاتے ہیں پھر اسے بہتر سے بہتر طریق پر کیوں نہ گزارا جائے؟ اپنی مجبوریوں اور کوتاہیوں پر اظہار تاسف کرنے سے بہتر ہے کہ ہم ان سے نمٹنا سیکھیں اور انہیں آسانی اور آسائش میں بدل دیں یہی زندگی کا سنہرا اصول ہے اور اسی کے سہارے مشکلات اور ناکامیاں آسائش اور کامیابی میں بدل جاتی ہیں زندگی بہت قیمتی ہے اسے فضول باتوں اور اداس لمحوں کی نذر کرنا ایک فاش غلطی ہے مسکراتے ہوئے زندگی بسر کرنا ہم سب کا نصیب العین ہونا چاہئے اس طرح ہم یقیناً ان دشوار مرحلوں سے باآسانی گزر جائینگے جو بعض اوقات چٹان کی طرح ہمارے راستے میں حائل ہو جاتے ہیں لیکن ساتھ ساتھ ہمیں انسانیت

کے ان بنیادی اصولوں کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے جنہیں ہم اخلاق اور شرافت کا نام دیتے ہیں غلط راہوں پر چل کر زندگی سے لطف اٹھانا شدید حماقت ہے خصوصاً ایک عورت کے لئے جس پر معاشرے کی بنیاد رکھی ہوئی ہے مرد اگر حد سے تجاوز کرے تو کچھ زیادہ برا معلوم نہیں ہوتا ہے لیکن عورت کو قدرت نے ایسا بنایا ہے۔ اور سماج میں انفرادی طور پر اس کی حیثیت کچھ اس طرح متعین کی ہے کہ اگر وہ حد سے بڑھے تو نہایت مہلک نتائج برآمد ہوتے ہیں لوگوں کی نگاہوں میں اس کا مقام ایک حقیر شئی سے بھی بدتر ہو جاتا ہے اس لئے بہتر یہی ہے کہ عورت اپنی نسوانیت کو برقرار رکھے اور کبھی اپنی حدود سے بڑھنے کی کوشش نہ کرے عورت کی نسوانیت خدا کی دین ہے اسے کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہئے اگر وہ مردوں کی طرح بے پایاں حقوق اور آزادی حاصل کرنے کے لئے اندھا دھند اس طلسم میں کھو گئی تو وہ اپنا اصل کردار بحیثیت ماں، بہن، شریک حیات اور بیٹی کھو بیٹھے گی اور کردار ہی ایک ایسی انمول چیز ہے جو اس کے اندر عزت و توقیر کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

سوال :- محترمہ مرد کو عموماً یہ احساس نہیں ہوتا کہ اس پر عورت کے کس قدر حقوق ہیں۔ اکثر اوقات وہ عورت پر زیادتی سے باز نہیں رہتا اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب۔ یہ کبھی نہ بھولو کہ مرد سطحی باتیں پسند نہیں کرتا بحث کر کے تم اسے قائل نہیں کر سکتیں اس لئے تم اس سہانے وقت کا انتظار کرو جب وہ کسی مطالبے کے بغیر تمہارے عمل سے قائل ہو جائے عورت کو ہمیشہ مرد سے زیادہ قربانی دینا پڑتی ہے اور اسی میں اسکی بڑھائی ہے۔

سوال:- مرد کے دل میں جگہ کیسے پیدا کی جا سکتی ہے؟

جواب۔ مرد کو سمجھنے میں عمر لگتی ہے دراصل ہر ماں کو چاہئے کہ اپنی بیٹی کو یہ تربیت ضرور دے کہ شوہر کے ساتھ اسکو کس طرح رہنا چاہئے۔ مرد چھوٹی چھوٹی باتوں سے بہت خوش ہو جاتا ہے عورت کی چھوٹی سی توجہ اور تھوڑا سا خیال بھی اسے اس بات کی طرف احساس دلاتا ہے کہ اس کے ساتھ دلچسپی ہے مرد کے ساتھ بحث کرنا اسے کسی بات پر مجبور کرو تو اسکا نتیجہ بالعموم اچھا نہیں نکلتا ہے عورت کے اس قسم کا رویہ سے مرد ہر کام الٹ کرتا ہے کیونکہ وہ فطرتاً خود سر واقع ہوتا ہے وہ آغاز

میں جائز مداخلت بھی پسند نہیں کرتا لیکن یہ کیفیت صرف وقتی ہوتی ہے عورت اپنی حلیم طبیعت اور حسن سلوک سے آہستہ آہستہ اس پر اپنا اثر اس قدر ڈالتی ہے کہ اس کو اپنے کیئے پر افسوس ہونے لگتا ہے لیکن اگر یہی بات تم خود اسے سکھانے کی کوشش کرو تو وہ سیکھنے کے بجائے بگڑ جائیگا اس لئے یاد رکھو کہ ازدواجی زندگی کی حقیقی مسرت حاصل کرنے کے لئے تمہیں اپنی ساری توجہ اپنے شوہر پر مرکوز کر دینا ہوگی۔ ان باتوں سے پرہیز کرو جو اسے ناپسند ہیں اسے ناراض ہونے کا موقع نہ دو جب تم خود کسی اچھی چیز کی توقع رکھتی ہو تو اس کے لئے پہلے خود قربانی دو اگر تم اپنی زندگی میں اس سنہرے اصول کو سامنے رکھو گی تو ہمیشہ کامیاب رہو گی۔

سوال:- کیا عورت کمزور ہے؟

جواب۔ تاریخ پڑھو تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ خواتین مردوں کے کارہائے نمایاں میں ہمیشہ انکے معاون رہی ہیں عورت کیا کچھ نہیں کر سکتی اسمیں عقل اور شعور ہو تو وہ بڑے بڑے ستون ہلا سکتی ہے اور طوفان برپا کر سکتی ہے۔ عورت کمزور نہیں یہ درست ہے کہ بعض باتوں میں فطرت معاشرے اور حالات نے کمزور بنا دیا ہے لیکن اگر وہ چاہے اور پختہ ارادے کی مالک ہو تو مردوں سے زیادہ مضبوط ہو سکتی ہے۔

سوال:- لیکن محترمہ یہ کیسے ممکن ہے بنیادی طور پر تو بہر حال عورت کمزور ہی ہے؟

جواب۔ اسے مرد سے زیادہ قربانی دینا پڑتی ہے اعلیٰ کردار سے ان بلندیوں تک چلنا ہوتا ہے جہاں مرد کی پہنچ کبھی نہیں ہو سکتی ہے میں تو ہمیشہ یہی کہتی ہوں کہ ہمیں اچھی ماؤں کی ضرورت ہے اچھی مائیں ہمارا بڑا قیمتی سرمایہ ہیں سکول، کالج اور دوسرے اداروں میں جب بھی مجھے تقریر کرنے کا موقع ملتا ہے تو میں اس چیز پر بہت زور دیتی ہوں۔ افسوس ہمارے ہاں اچھی مائیں بہت کم ہیں۔

سوال۔ کئی عورتیں یہ بات نہیں سمجھتیں ہیں۔ جدید عورت تو ان چیزوں کو بالکل دقیانوسی سمجھتی ہے اور ان پڑھ عورتیں اکثر اوقات زمانے کے تقاضوں پر پورا نہیں اترتی ہیں؟

جواب۔ یہ درست ہے لیکن اچھی مائیں کہاں سے آئیں گی۔ ہم ہی لوگوں میں سے ہونگیں ہر فرد کو معاشرے میں اپنا ایک منفرد کردار ادا کرنا ہوتا ہے اگر تم لوگ خود اچھے ہو جاؤ اور کوشش کرو کہ اپنے دوستوں اور احباب کو اپنا ہم خیال بناؤ تو کیسے معاشرہ نہیں بدلیگا؟ عورت اپنی ذات میں بہت اہمیت رکھتی ہے وہ ایک طاقت ہے جو ملک کی تقدیر بدل سکتی ہے۔

سوال:۔ محترمہ ایک مکمل عورت کی خوبیاں کیا ہیں؟

جواب۔ اکثر معروف اور بڑے آدمیوں کی بیویاں محض اس لئے معاشرہ میں عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں کہ وہ فلاں شخص کی بیوی ہے ورنہ انکی اپنی ذات میں کچھ نہیں ہوتا آج مجھے کوئی بتا رہا تھا کہ اس دن کالج کی تقریب میں ایک وزیر کی بیوی نے صدارت کی اور جو تقریر انہیں لکھ کر دی گئی تھی وہ صحیح طرح نہ پڑھ سکیں پھر انکا انداز گفتگو اور لباس ایسا تھا کہ انہیں کسی طرح بھی ایک تعلیمی ادارے کی تقریب کی صدارت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ ضروری نہیں کہ عورت لکھی پڑھی ہو۔ وقار تمکنت اور خوبصورتی ایسی چیزیں ہیں جو ایک عورت میں ہونی ضروری ہیں یہی وہ اوصاف ہیں جو عورت کو ایک مکمل عورت بناتے ہیں۔ آج کی عورت یہ سمجھتی ہے کہ چونکہ وہ انگریزی بول سکتی اور فیشن کے مطابق کپڑے پہن سکتی ہے لہذا اسمیں عورت کی ساری خوبیاں موجود ہیں حالانکہ یہ بات نہیں، عورت تو شفقت، محبت اور ہمدردی کا ایک بحر بیکراں ہے۔ جس سے اسکے گھر والے احباب اور ہمسائے سب سیراب ہوتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے ہماری عورتیں ایسا نہیں سوچتیں، عورت کی تنگ نظری کی وجہ سے گھروں میں طوفان اٹھتے ہیں اور پریشانیاں جنم لیتی ہیں۔ اور چین وسکون نام کی کوئی شے نظر نہیں آتی ہر بات میں مردوں کی برابری کی کوشش اور خواہش، معاشرے میں ایسے سنگین مسائل پیدا کر دیتی ہے جس سے سارا سکون خراب ہو جاتا ہے۔ اور انسانوں میں باہم اچھے تعلقات قائم نہیں رہ سکتے۔

سوال:۔ پاکستانی عورت اس وقت جہاں کھڑی ہے اور جن قدروں کو اپنا رہی ہے کیا یہ وہی مقام ہے جس کا تصور قائداعظمؒ کے ذہن میں اس نو آزاد مملکت کی عورت کے سلسلے میں تھا؟

جواب:۔ ہرگز نہیں وہ عورت کو شمع محفل نہیں بنانا چاہتے تھے آزادی نسواں کا مطلب لوگ غلط سمجھتے

ہیں آزادی کا مطلب بھٹکنا نہیں بلکہ ان راہوں پر عمل پیرا ہونا ہے جن پر چلنے میں عزت وآبرو وقار اور عروج نصیب ہوتا ہے۔ عورت پر زیادہ سختی کرنا اور دباؤ ڈالنا بھی زیادتی ہے اس طرح وہ مزید بھٹک سکتی ہے۔

سوال:- محترمہ بچوں کی تربیت اور کردار سازی کے حوالے سے آپ کیا کہیں گی؟

جواب۔ اس میں شک نہیں کہ بچے دن کا بیشتر حصہ اپنے استادوں کیساتھ گزارتے ہیں لیکن بچے کی اصل تربیت گاہ والدین اور خاص طور پر ماں کا قرب ہے کیونکہ مرد وعورت زندگی کے ہر شعبے میں خواہ یکساں حقوق کے مالک ہو جائیں لیکن عورت پر ہر حالت میں پہلے گھر اور بچوں کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے خوش حال ملک کے خوش حال گھرانے اور عمدہ تربیت یافتہ بچے صرف عورت ہی بنا سکتی ہے اگر مردوں کو اپنے گھروں میں خوشی اور اطمینان کی وہ افق نظر آجائے جو ہمارے اکثر گھروں میں مفقود ہے تو ان کے لئے زندگی کی راہیں ہموار ہو جائینگی اور وہ قوم و ملک کے لئے اچھے شہری ثابت ہونگے۔

سوال:- محترمہ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے خاندانی لوگ اپنی تہذیب کو اتنا گھٹیا کیوں سمجھنے لگتے ہیں کہ آہستہ آہستہ سے چھوڑ دیتے ہیں؟

جواب۔ انکا قصور صرف یہ ہے کہ وہ نفسیاتی مریض ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ غیروں کی چیز اپنانے سے وہ بڑے آدمی بن جائیں گے۔ یہ نہیں سوچتے کہ جب انہوں نے اپنا لباس چھوڑا زبان چھوڑا، تہذیب وتمدن چھوڑا اپنے رسم ورواج سے شرمانے لگے تو وہ خود کہاں رہ جائینگے، اپنی بعض چیزیں بری ہی سہی لیکن ہیں تو اپنی اور انکے اپنانے میں ہی ہماری عزت اور بڑائی ہے، مغربی قوموں کو دیکھئے کہ سینکڑوں سال کی پرانی روایات کو ابھی تک سینے سے لگائے بیٹھی ہیں۔ اس کے باوجود انکی بڑھتی ہوئی آزادی اور بے راہ روی انہیں کہاں سے کہاں لے گئی ہے کہ انہیں خود یہ علم نہیں کہ آگے کیا ہوگا؟ وہ لوگ ایک دروازے پر کھڑے ہیں جہاں سے انہیں کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ یہ حقیقت ہے کہ زمانے کے بڑھتے ہوئے اثرات سے انسان بچ نہیں سکتا لیکن یہ بات کبھی نہ بھولو کہ بنیادی قدریں ہمیشہ غیر متبادل رہتی ہیں انہیں وقت کا کوئی دھارا اور کوئی حادثہ بدل نہیں سکتا

یہ خود ہماری کمزوری ہے کہ ہم انہیں بدل دیتے ہیں اب اس لڑکی کو دیکھو جو ابھی آئی تھی انگریزی ہم بھی بولتے ہیں اگرچہ یہ غیروں کی زبان ہے لیکن دنیا میں اپنے لئے اسے بولنا اور سیکھنا ضروری ہو گیا ہے کیونکہ یہ بین الاقوامی زبان بن گئی ہے لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ اسے یوں منہ بنا بنا کر بولا جائے کہ نفرت ہونے لگے ہمارے لوگوں کا یہی ایک قصور ہے کہ اندھادھند دوسروں کی تقلید بلکہ نقالی کر کے اپنی راہوں سے بھٹک جاتے ہیں۔

سوال:- محترمہ فاطمہ جناح صاحبہ ہمارے ملک میں مغربی اثرات بڑھ رہے ہیں اور ہم زبان لباس اور بودو باش میں مغربی اثر قبول کر رہے ہیں اسکا کیا علاج ہے؟

جواب۔ دنیا ایک چھوٹی سی جگہ ہے یہاں ایک ملک یا قوم کا دوسرے ملک اور قوم پر اثر پڑنا قدرتی بات ہے لیکن بنیادی طور پر ہمیں اپنی روایات اور اقدار کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے انہیں ہر گھر میں سکھایا جانا ضروری ہے اور یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے ایسی ماؤں کی ضرورت ہے جو اپنے بچوں کو اپنے ماحول اور تہذیب کے مطابق تربیت دیں علم اور صحیح علم صرف ڈگریوں وغیرہ سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس تعلیم سے ملتا ہے جو ہم اپنے ماحول سے حاصل کرتے ہیں دراصل پاکستان بننے کے بعد مسلمانوں کو بہت کچھ مل گیا ہے اور اب وہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ پا رہے۔

ایک روز ایک بیگم میرے پاس آئیں تو میں نے انکی جوان سال بچی کا حال پوچھا کہنے لگیں میں جناح اتنا عمدہ راک اینڈ رول کرتی ہے کہ آپ دیکھ کر حیران رہ جائیں فرنچ پڑھ رہی ہے اور ساتھ ہی رقص کی تربیت بھی حاصل کر رہی ہے۔ میں نے اسے کہا کہ تم اور تمہارا شوہر بہت فخر محسوس کر رہے ہیں کہ بچی مغرب کا انداز اپنا رہی ہے مگر کل کو یہی نوجوان نسل اپنے والدین کو یہ کہہ کر دھتکار دیگی " بکواس بند کرو" بوڑھے کہتے ہیں کہ محترمہ مادر ملت فاطمہؒ جناح اپنی طبعی موت نہیں مری بلکہ اسکو مبینہ طور پر قتل کیا گیا تھا۔ گلے پر زخم اور پھر پیٹ میں سوراخ تھا اسکے باوصف محترمہ کے اس مبینہ قتل کے خلاف نہ تحقیقات ہوئی اور نہ ہی ایف آئی آر درج ہوئی اس لئے کہ ایک جابر آمر کے خلاف محترمہ نے صدارتی الکشن لڑا تھا۔ بدین وجہ حکومت وقت کے

تاثرات محترمہ کے حق میں اچھے نہیں تھے لہذا انتظامیہ کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ اس واقعہ فاجعہ کی تحقیقات کرائی جاتی یا ایف آئی آر درج کرائی جاتی اگر کوئی شہری رپورٹ بھی کرتا تب بھی کاروائی ممکن نہ تھی ایسے ہی حالات کے زیر سایہ خواتین زندگی بسر کرتی ہیں غیرت کے نام اور خودکشی کے نام قتل کی وارداتیں آئے دن پیش آرہی ہیں انکے علاوہ بھی بے شمار ظلم اور زیادتیوں کی چکی میں پس رہی ہیں، پس وطن کی ماؤں بہنوں اور بیٹیوں سے گزارش ہے کہ وہ بیدار ہوں اور ووٹ کی طاقت کے دانشمندانہ استعمال سے اپنی تقدیر بدل دیں، بصورت دیگر کنیز دایہ اور کولہو کے بیل کی زندگی گزارتی ہی رہیں گی۔ یاد رکھو سر سے چادر پھینکنے اور شمع محفل بننے کا نام آزادی نہیں ہے۔

خواتین اور ہماری روایات

بیٹی قبیلہ گاؤں اور وطن کی بیٹی کہلاتی ہے اس لئے اسکی عفت اور ننگ و ناموس خاندان، قبیلہ، گاؤں اور وطن کی عزت وقار، فخر او استقلال کی علامت ہے صدیوں کے تجربات احساسات ضروریات اور حالات کی کوکھ سے ایک تہذیب وجود میں آتی ہے جو ایک معاشرہ ایک قوم کی پہچان ہوتی ہے پس جب تک ایک بیٹی (خاتون) تہذیب (کلچر) کے دیئے ہوئے آداب سے بغاوت نہیں کرتی اسکی عزت اور ناموس کا دفاع قوم اور معاشرہ کرتا ہے جب خاتون کلچر کی باغی ہوتی ہے تو پھر قوم اور معاشرہ اسکے ناموس اور عزت کے دفاع کے حقوق جو اسے معاشرے کی طرف سے حاصل ہوتے ہیں کھو دیتی ہے۔ جب ایک بیٹی کسی دوسرے قبیلے میں یا دوسرے علاقے میں یا دوسرے گاؤں میں بیاہی جاتی ہے تو وہ بیٹی اس قبیلہ علاقہ اور گاؤں کی نمائندہ ہوتی ہے، جب اس بیٹی کی بیٹی یا بیٹے کی شادی طے ہو پاتی ہے تو وہ دستور کے مطابق میکے آتی ہے تو گاؤں والے گھی، جانور، غلہ، میوہ، شرمہ (روایتی کارپٹ) الغرض تمام شادی کی ضروریات پوری کرتے ہیں اور بیٹی کے ساتھ سسرال پہنچاتے ہیں اس لئے کہ یہ قوم کی بیٹی اور اسکی عزت وقار کی نشانی ہے۔ ایسی ہی بیٹیوں پر کسی قسم کی زیادتی ہوتی ہے تو پورا معاشرہ حرکت میں آتا ہے اور سخت سے سخت اقدام یعنی گھروں کو نذر آتش تک کیا جاتا ہے اسکے علاوہ کوئی وطن کی بیٹی کو میلی آنکھ

ہے: دیکھیے تو اسی ہتھیلی پر لوہا گرم کر کے رکھا جاتا ہے لہٰذا ہماری تمنا ہے کہ ہماری قوم کی بیٹی اپنے کلچر کے آداب اور قدروں کو محفوظ رکھے کیونکہ خاتون کلچر کی عمارت کا ستون ہے جبر کلچر کی عمارت مرکزی ہے۔

ڈاکٹر روتھ فاؤ ایم ڈی (مغرب کی نمائندہ خاتون)

وفاقی مشیر برائے جذام حکومت پاکستان

ڈاکٹر روتھ کیتھرینا مارتھا فاؤ ایم ڈی جرمنی کے شہر لیپ زیگ(leipzig) میں 9 ستمبر 1929 میں پیدا ہوئیں انہوں نے جرمنی کے اس علاقے سے جسے آج کل جرمنی کا مشرقی حصہ کہا جاتا ہے وہاں سے طب کی تعلیم 1957ء میں مکمل کی اس کے بعد انہوں نے عیسائی راہباؤں کی ایک جماعت Daughter of the Heart of Mary میں شمولیت اختیار کی جس کا صدر مقام پیرس میں ہے۔ 1960ء میں ہندوستان کے ارادہ سفر سے کراچی میں مختصر قیام کے لیے رکی اور M'c Load Road پر واقع جذام کے مریضوں کی کالونی جہاں پر ان کی مذہبی جماعت کے توسط سے Marie Adelaide Dispensary کام شروع کر چکی تھی جب انہوں نے وہاں پر جذامی مریضوں کی حالت دیکھی تو کراچی میں مستقل قیام کا فیصلہ کر لیا انہوں نے اپنی خدمت کا آغاز اسی کلینک سے کیا جس کی دیواریں گتے کے ڈبوں سے بنی تھی۔ اب وہ کلینک 72 بستروں، بیرونی او پی ڈی، فزیوتھراپی اور لیبارٹری کی سہولت کے ساتھ کراچی کے گنجان آباد علاقے ریگل صدر میں واقع ہے اس کے گیارہ Sub Centre کراچی کے مختلف علاقوں میں موجود ہیں اور معذور مریضوں کے لیے ایک محتاج خانہ (Cripple Home) موجود ہے اس کے علاوہ ایک سو ستر فیلڈ یونٹ پاکستان کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں 47423 مریض 1996ء تک رجسٹرڈ کیے گئے۔ انہوں نے 1965ء میں لیپروسی ٹیکنیشن کے لیے تربیتی کورس کا آغاز کیا یہ تربیتی ادارہ حکومت پاکستان سے منظور شدہ ہے یہاں سے اب تک 27 کورسز

ہو چکے ہیں جس سے 490 ٹیکنیشنز کو تربیت دی جا چکی ہے جن کا تعلق حکومت اور نجی اداروں سے ہے جذامی مریضوں کی تلاش میں ڈاکٹر روتھ فاؤ نے بین الاقوامی Donor کی مدد سے پاکستان کے چپے چپے اور گوشے گوشے کا دورہ کیا انہوں نے جذامی مریضوں کے لیے ایک ہسپتال قائم کیا جہاں پر ان کا طبی سماجی اور جراحی علاج کیا جاتا ہے انہوں نے اپنی پوری زندگی جذامی مریضوں کے علاج اور جذام کے کنٹرول میں وقف کر دی ان کی انتھک محنت کی بدولت پاکستان میں 1996ء میں جذام پر قابو پالیا جو کہ صحت کا عالمی ادارہ WHO کے وقت مقررہ سے چار سال قبل قابو پالیا گیا پاکستان براعظم ایشیا کا وہ پہلا ملک ہے جہاں جذام پر قابو پالیا گیا ہے ان کی اس بے مثال کارکردگی کی وجہ سے Federal Republic of Germany نے جنوری 1968ء میں (The order of the Cross Award) سے نوازا۔

مارچ 1985ء میں (The Commanders Cross of the Order of Merit with Star) کے تمغے سے نوازا 1969ء میں حکومت پاکستان نے ستارہ قائداعظم (Sitara-e-Quaid-e-Azam) اور 1979ء میں ہلال امتیاز (Hilal-e-Imtiaz) سے نوازا گیا اور اسی سال انہیں حکومت پاکستان کے منسٹری آف ہیلتھ میں اعزازی مشیر برائے جذام مقرر کیا گیا۔

1988ء میں ڈاکٹر روتھ فاؤ کو صدر پاکستان نے اعزازی پاکستانی شہریت سے نوازا اور 23 مارچ 1989ء کو ہلال پاکستان کا تمغہ دیا امریکی ادارہ برائے جذام (Damien-Dutton Society) نے 1991ء میں ڈاکٹر روتھ فاؤ کو Damien Dutton Award سے نوازا ستمبر 1991ء میں Federal Republic of Germany نے انہیں Osterreischische Albert Schweitzer Gesellschaft Award سے نوازا 24 اگست 2002ء کو حکومت فلپائن نے ڈاکٹر روتھ فاؤ کو "Ramon Magsaysay Award for Public Services 2002" سے نوازا جناح سوسائٹی نے 11 اپریل 2003 کو "The Jinnah Award" سے نوازا

جرمن خاتون ہونے کے باوجود ڈاکٹر روتھ فاؤ نے زندگی کا آدھے سے زیادہ حصہ جذامی مریضوں کی خدمت کرتے ہوئے پاکستان میں گزاری جو کہ اب ان کا اپنا وطن ہے انہوں نے ہماری تہذیب وتمدن کو اپنایا وہ جہاں کہیں بھی جاتی ہیں چاہے وہ کوئی بڑا یا چھوٹا پروگرام ہو وہ ہمارے قومی لباس کو ترجیح دیتی ہے جس میں دوپٹہ نمایاں ہوتا ہے۔

کسی بھی ملک میں جذام پر قابو پانا بڑی کامیابی کی بات ہے لیکن ڈاکٹر روتھ فاؤ جس جذبے سے کام کررہی ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لیے یہ ابتداء ہے وہ آج بھی اسی لگن سے مصروف عمل ہیں

ایک مرتبہ گلگت میں قیام کے دوران مذہبی فسادات رونما ہوئے جس میں مادام روتھ فاؤ کے ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھیں انہوں نے کسی کے خلاف قانونی شکایت نہیں کی ایک مرتبہ انکو معلوم ہوا۔ کہ کسی دیہات میں ایک جذامی لڑکی کو خاندان والوں نے گھر سے علیحدہ کر کے ایک غار میں بند کیا ہوا ہے وہ فوراً اس دیہات میں پہنچیں غار تک سفر کیا اور غار کے دہانے پر چلتے ہوئے دیوار کو پھلانگ کر غار کے اندر گئی اور دو سال سے نظر بند اس لڑکی کو نکال کر لائیں اس کے لیے علاج تیمارداری اور پھر خاندان میں واپسی بلکہ تاحیات کفالت کا بندوبست بھی کیا۔

ناردرن ایریا سے جذام کو ختم کرنے اور تپ دق کے خلاف جہاد میں مادام روتھ فاؤ کے کارنامے سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں، شمالی علاقہ جات میں بھی ڈاکٹر روتھ فاؤ نے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں شمال کے پہاڑی اور حفظان صحت کے اصولوں سے نابلد اور سہولیات سے محروم علاقوں میں جذام کے مرض پر قابو حاصل کرنے اور تپ دق جیسے مہلک مرض کی روک تھام کے لیے مادام روتھ فاؤ کی خدمات یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

عمر کے اس حصے میں بھی وہ ہر سال ناردرن ایریا تک آتی ہیں اور ایسے پروگرام کے لیے انہوں نے اپنے محکمے کی شاخیں ہر ضلع اور ہر سب ڈویژن میں کھولی ہوئی ہین جہاں سے ان کے کارکن مریضوں کے گھر گھر جا کر دوائی پہنچاتی ہیں بلکہ تپ دق کے مریضوں کو اپنے سامنے کھلانے کا اہتمام بھی کرتی ہیں

ڈاکٹر روتھ فاؤ کی زندگی ایک نظر میں

ڈاکٹر روتھ کیتھرینا مارتھا فاؤ

پیدائش 9 ستمبر 1929ء لیپ زیگ جرمنی

ہارکیمبرج مشرقی جرمنی

میڈیکل (طبی تعلیم مغربی جرمنی) اسٹیٹ بورڈ ایگزامنیشن اور ایم ڈی 1957ء میں کیا۔

1957-1959ء تک مختلف اسپتالوں میں سرجری، میڈیسن، گائنی اور اوبسٹی ٹرکس (obstetris)

مارچ 1960ء میں پاکستان آئیں 1963ء میں لیپروسی کے اسپتال میں کام شروع کیا۔

لیپروسی فیلڈ میں کام کرنے کے لیے وہ جذام کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے ویلور (vellore) گئیں۔

1968ء میں جرمنی کا (order of the cross Award) حاصل کیا

مارچ 1985ء میں فیڈرل ری پبلک آف جرمنی کی طرف سے the commanders cross of the order of merit star کا ایوارڈ حاصل کیا

1969ء حکومت پاکستان کی طرف سے ستارہ قائداعظم کا تمغہ حاصل کیا

1979ء میں حکومت پاکستان اور آزاد کشمیر کے منسٹری آف ہیلتھ سوشل ویلفیئر اینڈ پاپولیشن پلاننگ میں بحیثیت اعزازی مشیر برائے جذام مقرر ہوئیں

13. مارچ 1988ء میں صدر پاکستان نے انہیں پاکستان کی اعزازی شہریت عطا کی

14. مارچ 1989ء میں حکومت پاکستان کی طرف سے انہیں ہلال پاکستان کا تمغہ دیا گیا

.15 the Damien Dutton Society for leprosy Aid Inc,Bellmore,U.S.A کی طرف سے تمبر 1991ء میں Damien Dutton ایوارڈ دیا گیا

.16 حکومت جرمنی نے 1994ء میں انہیں sterreichische Albert Schweitzer Gesellschaft کے ایوارڈ سے نوازا

.17 24 اگست 2002 میں منیلا میں حکومت فلپائن کی طرف سے انہیں Ramon Magsaysay Award 2002 دیا گیا

.18 جناح سوسائٹی کی طرف سے 11 اپریل 2003ء میں جناح سوسائٹی ایوارڈ دیا گیا

.19 ادارہ وقار ادب کی طرف سے 3 مئی 2003ء کو the name of Allah ایوارڈ دیا گیا

شمالی علاقہ جات کی نامور خواتین

گل خاتون

گل خاتون شمالی علاقہ کے مایہ ناز حکمران اور خاندان مقپون کے پندرہویں تاجدار علی شیر خان انچن کی ملکہ تھی۔ ملکہ گل خاتون کا تعلق مغلیہ خاندان ہندوستان سے تھا۔ اور روایات کے مطابق بادشاہ ہمایوں کے بھائیوں کامران مرزا یا ہندال مرزا کی بیٹی یعنی اکبر اعظم کی چچازاد بہن تھی۔ جب علی شیر خان انچن جسے مغل مورخین نے "علی رائے کے نام سے مذکور کیا ہے۔ نوجوانی میں اپنے ماموں راجہ شگر کے ہاتھوں تخت وتاج سے ہاتھ دھو کر بھاگا اور ہندوستان پہنچا۔ یہ آوارۂ وطن بچپن ہی سے غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک تھا۔ لہٰذا وہ جلد ہی اکبر بادشاہ کی نظروں میں آگیا اور پھر اکبر نے اس کی شادی اپنے خاندان کے اس شہزادی کے ساتھ کر کے اپنی سائیہ شفقت میں لیا۔ جب علی شیر خان انچن نے اپنی موروثی حکومت کو حاصل کیا تو پھر اس نے اپنی اس ملکہ کو بھی سکردو لایا۔ علی شیر خان انچن (لغایت 1585 تا 1626) کا اس ملکہ سے چار بیٹے اور ایک بیٹی ہوئی۔ بیٹوں کے نام احمد خان (ولیعہد)' آدم خان' عبداللہ خان معروف بہ عبدا خان آدم خور اور علی محمد خان تھے۔ جب کہ بیٹی کا نام کا کسی تاریخ میں ذکر نہیں۔ اس شہزادی کی شادی شہزادہ سلیم ابن اکبر اعظم جو تخت دہلی پر بیٹھنے کے بعد جہانگیر سے ملقب ہوا سے ہوئی۔ علی شیر خان انچن کا عہد حکومت بلتستان کی تاریخ کا سنہرا دور ہے۔ اس کے عہد میں بلتستان نے فوجی' اقتصادی' معاشرتی' اور ثقافتی میدان میں اتنی ترقی کی جن کی گونج ابھی تک سنائی دیتی ہے۔ بلتستان میں ثقافتی اعتبار سے جو بے مثال ترقی کی اور ایک نہایت خوبصورت ثقافت نے جنم لیا اس میں بلتستان کی بلکہ شمالی علاقہ جات کے علاوہ لداخ کی اس ملکہ کا بہت ہاتھ ہے۔ علی شیر خان انچن نے جہاں اپنی حسن تدبیر اور فوجی طاقت سے مشرق میں لداخ کے وسیع علاقہ کو فتح کرتا ہوا مزید آگے جا کر جھیل مانسرور کے مشرق میں تبت کا مشہور قصبہ پورانگ فتح کیا وہاں اس نے گلگت و چترال کو فتح کر کے درہ لواری پر جا کر دم لیا اور اپنی فتح کے یادگار نصب کیے۔ اس کے علاوہ اس نے کھرپو

چوکا عظیم قلعہ تعمیر کیا۔ سد پارہ ڈیم اور سکردو شہر کے جنوب میں بطرف دیوسائی وکشمیر سلسلہ ہمالیہ میں دفاعی دیواریں تعمیر کرائیں وہاں اس کی ملکہ گل خاتون نے بلتستان کی ثقافت کو اوج کمال تک پہنچایا۔ اس ملکہ نے کشمیر اور ہندستان سے مختلف انجینیر اور فنکار و دستکار منگوا کر سکردو کے شاہی محلات و عمارات میں اعلیٰ قسم کی لکڑی اور سنگ مرمر کی جالیاں لگوایں اور ان فنون کو بلتستان میں متعارف اور رائج کرایا۔ اس کی باقیات ابھی بھی بلتستان کے قلعوں' محل' خانقاہوں' مساجد اور امام بارگاہوں میں اب بھی نظر آتے ہیں۔ باغات' فوارے اور عمارات تعمیر کرنا ہندستان کے مغل خاندان کی گھٹی میں رچی بسی تھی۔ ملکہ گل خاتون نے اپنے اس شوق کو سکردو جیسے خشک اور سنگلاخ میں بھی پورا کر کے اسے ایک خوبصورت شہر میں تبدیل کر دیا۔ جب علی شیر خان انچن 1615ء تا 1620ء یعنی پانچ سال کے لئے گلگت و چترال میں فوجی مہم اور پولو وغیرہ میں مشغول رہا تو اس دوران ملکہ گل خاتون نے ہندستان سے ایک انجینئر جو گنگو خاندان سے تھا۔ اس کا نام گنگو تھا کو منگوایا اور اس کی زیر نگرانی سکردو شہر کی مشہور نہر گنگو کی نہر تعمیر کرایا۔ اس کی سطح کو اتنا اٹھایا گیا کہ پانی کھرفوچو قلعے کے پائینی جگہ تک پہنچ جائے۔ یہ نہر سہ رویہ یعنی تین نہریں ایک ہی چوڑے بنیاد پر متوازی بنائی گئی تھیں۔ درمیانی نہر کا پانی شاہی باغات کے لئے اور دائیں وبائیں نہروں کے پانی دائیں بائیں کے عوام اور زرعی اراضی کے لئے مختص کی گئی۔ اس ملکہ نے اپنے قلعہ خاص جو کہ قلعے کھرفوچے کے دامن میں سنگلاخ جگہ پر سنگ مرمر اور لکڑی کے آرائشی کام سے اتنا سجایا گیا تھا کہ اس محل کا نام ہی مینڈوق کھر یعنی پھول محل پڑ گیا۔ ساتھ ہی اس نے قلعہ کھرفوچے کے دامن میں شرقاً غرباً اور جنوباً باغات لگوائے جو اسی نہر سے سیراب ہوتے تھے۔ اس باغ کے سلسلے کا نام ہلال باغ رکھا گیا۔ ملکہ گل خاتون نے کشمیر اور ہندستان سے کئی پھل اور سبزیاں منگوا کر بلتستان میں پھیلایا جن میں سرخ رس والا کھٹا میٹھا شہتوت جسے یہاں کھچولی اوسے یعنی کشمیری توت کہا جاتا ہے۔ ٹماٹر جسے یہاں کھچولی بٹن یعنی کشمیری ٹماٹر کہا جاتا ہے۔ اور کالی مرچ جسے بلتی میں کھچولی سیرما یعنی کشمیری مرچ کہا جاتا ہے۔ معروف ہے۔ اس کے علاوہ ملکہ گل خاتون نے کشمیر سے سنار' لوہار' درزی' وغیرہ منگوائے اور اپنے محل کے قریب آباد کیا اور اس فن کو عروج دیا۔ سکردو میں پولو گراؤنڈ کے اوپر واقع محلہ جات اور سیکمیدان میں کئی محلہ جات اسی کی باقیات

ہیں۔اور یہاں کے باشندے انہی فنکاروں اور دستکاروں کی اولاد ہیں۔ملکہ گل خاتون نے قلعہ کھرفوچے اور نیچے اس کے محل اور باغات کے درمیان آمدورفت کو آسان بنانے کے لئے قلعہ کھرفوچے اور تنگ پہاڑ کٹوا کر موجودہ راستہ بنوایا۔روایات کے متعلق جب علی شیر خان انچن 1620 میں گلگت و چترال سے مظفر و منصور واپس آیا تو جہاں وہ اپنے ملکہ کے تعمیر کردہ شاندار باغات اور گنگوپی نہر دیکھ کر بہت خوش ہوا وہاں وہ قلعہ کھرفوچے تنگ راستہ بنوانے پر اپنی ملکہ سے ناراض ہوا کیونکہ اسطرح اس کے محافظ قلعے کی دفاع کمزور ہو گئی تھی۔اتنے شاندار کام کے بعد اپنے تاجدار کی طرف سے آخر خفگی پر ملکہ گل خاتون بہت تنگ ہوئی اور جان، جان آفرین کے حوالے کر دی اور یوں یہ خاتون اس دنیا سے چلی گئی۔لیکن اپنے ذوق و شوق اور اعلیٰ تدبیر کے ذریعے اس خطہ کو ایک اعلیٰ ثقافتی ورثہ دے کر چلی گئی۔لیکن اب بھی تاریخ اسے اسکے اصل نام اور ان کارناموں کی وجہ سے مینڈوق رگیالمو (یعنی پھولوں کی شہزادی کے نام سے یاد کرتی ہے۔

بونگو مریم

گو عام طور پر خواتین کو نہایت کمزور اور صنف نازک کے طور پر لیا جاتا ہے۔جو سوائے مردوں کی غلامی، گھر والوں کے لیے روٹیاں پکانے کے علاوہ کوئی اور کام نہیں کر سکتی عام خواتین بھی یہی سمجھتی ہیں کہ اللہ نے انہیں کمزور بنایا ہے جبکہ یہ حقیقت کے خلاف ہے بظاہر خواتین جسمانی طور پر مردوں کی نسبت کمزور ہوتی ہیں لیکن ان کی باتوں، ان کی آواز، ان کے صبر و استقامت اور شجاعت میں اللہ نے بڑی طاقت دی ہوتی ہے اور اگر خواتین نے اپنی ان صلاحیتوں سے کام لیا تو نہ صرف وہ اپنی غلامی اور اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا خاتمہ کر سکتی ہیں وہاں وہ معاشرہ اور قوم کے تیور بدل سکتی ہیں اور تاریخ کے دھارے کو موڑ سکتی ہیں اسکی بہترین مثال بلتستان کی ایک خاتون مریم ہے جس نے اپنی آواز کے الفاظ سے بلتستان کی تاریخ میں ایک نئے باب کو رقم کیا اس خاتون کی کہانی یوں ہے۔

سترہویں صدی عیسوی میں بلتستان کی مقپون سلطنت خانہ جنگیوں کی وجہ سے کمزور

ہو چکی تھی 1745ء میں مقپون سلطان مراد یہاں کا حکمران بنا۔ اس زمانے میں کشمیر پر افغانیوں کی حکومت تھی کشمیر کے افغان گورنر حاجی کریم داد خان نے مرتضیٰ خان کو سکردو پر فوج کشی کے لیے بھیجا۔ مقپون حکمران سلطان مراد کو شکست ہوئی اور اسے ایک ذلت آمیز معاہدہ پر دستخط کرنے پڑے۔ جس کے تحت ہر سال ایک مقررہ تعداد میں گھوڑے، سونا اور چند لڑکیوں کو افغان گورنر کو بھیجنا تھا۔ سلطان مراد نے باقی خراج تو پورا کیا لیکن مقررہ تعداد میں نوجوان لڑکیاں پوری نہ کر سکا۔ جب اس میں کئی دن لگے تو افغان کمانڈر نے سلطان مراد کو اسیر کر کے کشمیر لے جانے کی تیاریاں کیں تو سکردو میں ایک اضطراب پیدا ہوا۔ مقپون سلطان مراد کے ایک وفادار نوکر نے اپنے آقا کو اس عذاب میں دیکھا تو اس نے اپنی بہو مریم جو کہ نوجوان اور خوبصورت تھی کو خراج کی لڑکیوں میں شامل کر کے مطلوبہ تعداد پورا کرنے کی پیشکش کی۔ اس طرح مریم کو ان لڑکیوں میں شامل کیا گیا۔ دوسرے دن جب افغان فوج مال غنیمت اور باج و خراج کے ساتھ واپس ہوا تو سلطان مراد نے اپنے ایک وزیر کو ان کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ انہیں آگے جا کر رخصت کرے۔ غرض جب یہ قافلہ سکردو چل کر رگے درہ پہنچا تو رات وہاں گذاری۔ دوسری صبح جب وزیر ان افغانیوں کو رخصت کر کے واپس ہونے لگا تو خراج میں شامل لڑکیوں میں سے مریم نے اس وزیر کو اپنے قریب بلایا اور اس سے ان الفاظ میں مخاطب ہوئی۔

سنو! تمہاری قسم یہ لوگ واقعی ہمیں لے جا رہے ہیں اس وقت جبکہ پہاڑوں سے بکریوں کے بچے واپس لائے جا رہے ہیں یہ لوگ ہمیں لے جا رہے ہیں۔

تمہاری قسم سنو! اس ملک میں ایسا (باغیرت) حکمران نہیں تھا جو ان سے یہ کہے کہ تم لوگ کون ہوتے ہو جو ہماری لڑکیوں کو لے جا رہے ہو (اور انہیں نہیں روکتے)۔

تمہاری قسم! اس ملک میں کیا کوئی وزیر نہیں رہا جو انہیں ہمیں اس طرح لے جانے سے روکے۔ تمہاری قسم! اے وزیر اس ملک میں ہمارا کوئی باپ یا بھائی بھی نہیں تھا جو ہمیں اس طرح لے جانے سے روکتا۔ اے وزیر! میرے سسر سے کہہ دینا کہ وہ میرے حصے کا کھانا بھی وہ خود کھائے اور خوش ہو۔ اے وزیر! میری ساس سے کہنا کہ وہ میرے کپڑے بھی خود پہن لے اور خوش

ہو۔اے وزیر! میرے اس بے زبان شوہر سے کہنا کہ تمہاری بچی تمہاری مریم دونوں ہاتھوں سے تمہیں الوداع کہتی ہوئی چلی گئی مریم کی یہ باتیں سنی تو اس وزیر کا سر شرم سے جھک گیا اور وہ نہایت شکستہ خاطر واپس سکردو پہنچا اور نہایت دل گیر ہو کر اس نے مریم کی ان شماتت آمیز باتوں کو لوگوں کے سامنے دہرائیں۔مریم کی ان باتوں نے سکردو کے شکست خوردہ لوگوں میں اتنا غیرت اور جوش بھر دیا کہ وہ لوگ مرنے مارنے پر تیار ہو گئے اور فوری طور پر منظم ہو کر افغانیوں کے پیچھے چل پڑے۔افغانی اس وقت میدان دیوسائی میں پہنچ کر خیمہ زن تھے۔بلتیوں نے اس غیض وغضب سے افغانیوں پر حملہ کیا کہ افغانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور سارا سامان اور خراج کی لڑکیاں چھوڑ کر اپنی جانیں بچا کر بھاگ نکلے۔اور بلتی فوج ان سامان اور لڑکیوں کو لے کر سکردو کی طرف چل پڑے بلتی فوج کا حملہ اتنا سخت اور تباہ کن تھا کہ افغانیوں کو دوبارہ سکردو پر حملہ کرنے کی پھر ہمت نہیں ہوئی۔کہتے ہیں کہ یوں غیر متوقع طور پر ظالم افغانیوں سے آزادی ملنے پر مریم خوشی کے مارے وہیں جان دے دی ایک اور روایت میں ہے کہ مریم نے رو رو کر خدا سے دعا مانگی کہ اسے افغانیوں سے باعزت رہائی دلائے خدا نے اسکی دعا قبول کر لی اور وہ پتھر کی ہو گئی۔کہتے ہیں کہ دیوسائی میں ایک انسان نما پتھر ہے جسے لوگ مریم خاتون کے نام سے پکارتے ہیں۔

وزیر زادی حیدر بی کناپا

بلتستان کی ایک نامور خاتون وزیر زادی حیدر بی گذری ہیں جن کا تعلق بلتستان کے بارہ مرکزی وزیر خاندان میں سے ایک معروف و مشہور خاندان، کناپا، سے تھا۔ یہ بارہ خاندان وہ خاندان تھے جنکو شمالی علاقہ جات کے مایہ ناز حکمران علی شیر خان انچن نے اپنی سلطنت کی وزارت اور فوجی کمانڈری کے لیے منتخب کیا تھا اور یہ طبقہ بلتستان کی معاشرتی درجہ بندی میں باقی تمام سے اعلیٰ تر لیکن شاہی خاندانوں اور سادات سے کمتر قرار دیا گیا تھا۔ان بارہ خاندانوں کو علی شیر خان انچن نے بڑی جاگیریں اور اعزازات دیگر ان کی عزت افزائی کو موروثی قرار دیا گیا تھا۔

خاندان کناپا کا اصلی تعلق چیلاس کے علاقہ سے تھا اور یہ خاندان وہاں کے ایک

نسلی اعتبار سے اس خاندان کا تعلق ہندوستان کے معروف جنیٹر و کینہ سین کی اولاد میں سے ہیں لیکن اس خاندان کے قدیمی آباء و اجداد کے نام سے ان کا تعلق بروشسکی قدیمی نسل سے لگتا ہے لیکن اس خاندان کے قدیمی آباء و اجداد کے نام سے ان کا تعلق بروشسکی معاشرہ سے لگتا ہے۔ کینہ سین کی اولاد نے ایک نامعلوم دور میں چلاس سے بطرف گلگتی ہجرت کی اور ان کی ایک شاخ سکردو کے ایک معروف گاؤں گول میں آباد ہوا یہاں یہ گھرانہ کینہ سین کی مناسبت سے کناپا کہلایا۔ کہتے ہیں کہ اس خاندان کے جو گھرانے چلاس میں آباد ہیں انہیں اسی کینہ سین کی مناسبت سے کنے کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے گول کے کناپا خاندان نے پندرہویں صدی عیسوی میں سلطنت مقپون کی مضبوطی اور ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان خدمات کی وجہ سے علی شیر خان انچن نے ان کو اپنے بارہ وزیر یا بارہ رتن کے لیے منتخب کرلیا۔

اٹھارہ سوتیس کی دہائی میں جب بلتستان کے حکمران احمد شاہ کا بیٹا محمد شاہ باغی ہوکر ڈوگروں کے ہاں پناہ گزین ہوا اور ڈوگروں نے محمد شاہ کو راجہ لداخ کے حفاظت میں رکھا تو یہ خاندان کناپا کا وزیر حسین تھا جس نے اپنے ولی نعمت احمد شاہ کے حکم پر دس بارہ ساتھیوں کی مدد سے محمد شاہ کو راجہ لداخ اور ڈوگرہ فوجیوں کے پہرے سے اغوا کر کے سکردو لایا اور احمد شاہ کے سامنے پیش کیا اور جب 1840ء میں اسی محمد شاہ، علی شیر خان راجہ کھرمنگ کی غداری کی وجہ سے احمد شاہ ڈوگروں کے ہاتھوں دھوکہ سے گرفتار ہوا تو ڈوگروں نے وزیر حسین کناپا کو بھی گرفتار کیا اور اپنے ساتھ جموں لے جا کر وہاں قید میں ڈال دیا۔ ایک عرصہ کے بعد جب وزیر حسین کا بیٹا وزیر رستم جوان ہوا تو وہ ڈوگرہ فوج میں بھرتی ہوا اور ترقی کرتے کرتے کمیدان (جو کہ موجودہ دور میں صوبیدار کہلاتا ہے) بن گیا جب وزیر رستم فوج سے ریٹائر ہوا تو اسے اپنے اچھی کارکردگی کی بناء پر سکردو کی ذمہ داری اور موضع اولڈنگ تا گول کی نمبرداری دی گئی اور یہ جلاوطن وزیر عزت واحترام کے ساتھ سکردو واپس آیا وزیر رستم ذیلدار سکردو نے سکردو کے محلہ کرسمہ تھنگ میں رہائش اختیار کی ان کے بعد یہ ذیلداری اور نمبرداری ان کے بڑے بیٹے وزیر احمد کناپا کو ملی چونکہ وزیر احمد کی ایک ہی بیٹی حیدر بی تھی لہٰذا احمد کے یہ ذیلداری اور نمبرداری وزیرزادی حیدر بی کو ملی وزیرزادی حیدر بی کی شادی اس کے چچازاد بھائی غلام محمد سے ہوئی لیکن یہ دونوں لاولد رہے بہرحال اس باہمت خاتون نے گول کی نمبرداری اپنے دوسری چچازاد بھائی وزیر عبدالکریم کے حوالہ کردی لیکن سکردو کی

ذیلداری اور اولڈنگ کی نمبرداری اپنے پاس رکھی یاد رہے کہ اس اولڈنگ میں سکردو شہر کے محلہ سکمیدان چھوڑ کر باقی سارا علاقہ یعنی محلہ نغولی سپنگ سے لیکر محلہ جات کنگوپی، کھرگرونگ، اولڈنگ، کورو، پکورا، کرسہ تھنگ، تاچھوسیک، اور مقپون پولو گراونڈ سے ملحق محلہ جات تا قلعہ کھرفوچو سب آجاتا ہے یوں سمجھئے کہ وزیر زادی ڈوگرہ دور میں سکردو شہر کی مطلق العنان میئر تھی وزیر زادی کا حسن انتظام اتنا اچھا تھا کہ اس کے دور میں اس وسیع علاقہ کا کوئی کبھی مقدمہ ڈوگروں کے تھانہ یا عدالت تک نہیں پہنچا وہ خود ہی سارے جھگڑے نمٹاتی تھی اور بڑے انصاف اور عدل کے ساتھ مقدموں کا فیصلہ کرتی تھی اور ان پر بڑی سختی کے ساتھ عمل درآمد کرواتی تھی وزیر زادی حیدر بی کی شخصیت اتنی بارعب تھی کہ اس کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی اس کے ساتھ ساتھ اس کی ذات ہر بھوکے پیاسے اور ننگے لوگوں کے لیے آغوش مادر کی طرح تھی جس کو بھی تنگی ہوئی اس وزیر زادی کے ہاں آتے تھے اور وہ بڑی شفقت اور محبت سے ان کی تکالیف کا ازالہ کرتی تھی کوئی بھی مظلوم ان کے سامنے فریاد لے کر پہنچتے تو سب سے پہلے اس کی دادرسی کرنا وہ اپنا فرض سمجھتی تھی عوام میں بے حد مقبول ہونے کے ساتھ ساتھ عوام اس سے ڈرتے بھی تھے اور اس کا بے حد احترام بھی کرتے تھے اس کے ساتھ اس وزیر زادی نے ڈوگرہ افسران کے ساتھ ایک متوازن تعلق رکھا ہوا تھا اور ڈوگرہ افسران بھی اس خاتون کا بے حد احترام کرتے تھے اس خاتون کی ذیلداری کے حدود میں ڈوگرے شاذ ہی دخل دیتے تھے اگر کوئی مسئلہ ان کے سامنے آتا تو وہ یہ کہہ کر مسائل کو وزیر زادی کے پاس بھیجتے تھے کہ یہ وزیر حیدر بی کے علاقہ کا مسئلہ ہے وہ خود حل کرے گی دور غلامی کے باوجود اپنے حاکم ڈوگروں کو ایک حد میں محدود رکھنا اپنی عزت کرانا ہی اس خاتون کی غیر معمولی صلاحیتوں اور دلیری کا منہ بولتا ثبوت ہے وزیر زادی حیدر بی جب اپنے گھر سے نکلتی تو اس کے ساتھ نوکروں، خادموں، نائبین کی ایک فوج ساتھ ہوتی تھی جہاں بھی یہ خاتون پہنچتی لوگ انہیں سلام کرنے اپنے اپنے گھروں سے نکلتے اس دبدبے اور طمطراق کے ساتھ بلتستان کی اس نامور خاتون نے تقریباً بیس پچیس سال حکومت کی اپنے آخری عمر میں انہوں نے اپنے تیسرے چچا حسین کے بیٹے وزیر فرمان علی کو گول سے اپنے پاس سکردو لایا اور اسے اپنا متبنیٰ بیٹا بنا کر سکردو کی ذیلداری اور اولڈنگ کی نمبرداری اس کے حوالے کر دی اور خود اپنے خالق حقیقی سے

حاملی وزیر فرمان علی ذیلدار و نمبردار کے بعد یہ عہدہ ان کے بڑے بیٹے وزیر محمد علی کو منتقل ہوئی جو گلگت بلتستان شمالی علاقہ جات میں اعلیٰ عہدوں پر فائض رہ کر اب گوشہ نشین ہیں دوران ملازمت وزیر محمد علی نے یہ ذیلداری اور نمبرداری اپنے بھائی وزیر عنایت علی کے حوالہ کر دی وزیر عنایت علی نے یہ فرائض بخیر و خوبی چلائے لیکن 1974ء کے بعد یہ سلسلہ ہی کمزور ہوتا گیا اب یہ عہدے سرکاری طور پر غیر موثر ہو گئے ہیں لیکن سکردو کے عوام بھی اس گھرانہ کی بڑی عزت کرتے ہیں اس کے پس منظر میں جہاں بلتستان کا معاشرتی و تہذیبی روایات کا بڑا اثر ہے وہاں وہ عزت و وقار اور احترام جو وزیر زادی حیدر بی نے اپنے حسن قابلیت سے کمایا تھا کی گونج بھی شامل ہے۔

(ختم شد)

لال بیگم

لال کا شوہر اور اس کے بیٹے معذور ہیں۔ اس کا چھوٹا بیٹا سکول جاتا تھا۔ لیکن اپنے ساتھی بچوں کی شرارتوں کی وجہ سے اسکو سکول چھوڑنا پڑا۔ لال کی تین بیٹیاں بھی ہیں۔

بیس سال تک لال بیگم کے پاس آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ انکی زندگی بھیک میں ملی ہوئی چیزوں پر گزر رہی تھی جن میں آٹا، سبزیاں، پرانے کپڑے اور جوتے شامل ہوتے تھے۔ آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اور زندگی مشکل سے گزر رہی تھی۔

سال 2000 میں AKRSP والوں نے Pilot Poverty Project کا آغاز کیا جس میں مومن آباد کے باشندوں نے بھی حصہ لیا۔ اس منصوبے کے تحت کسی بھی گاؤں کے 20 غریب ترین لوگوں کو چن کر ان کی مدد کرنا تھا۔ لال بیگم بھی ان 20 لوگوں میں شامل تھی۔ گاؤں والوں نے ایک کمیٹی بنائی۔ ابتدائی طور پر ان تمام غریب گھرانوں کو بجلی فراہم کی گئی۔ پھر قراقرم ایریا ڈویلپمنٹ آرگنائیزیشن اور ایک مقامی این جی او کے زیر اہتمام ان لوگوں کو مختلف کام سکھائے گئے۔ KARDO کے زیر اہتمام لال بیگم کے شوہر اور بیٹوں کو بھی شرما (اونی دری) بننا سکھایا گیا۔ اس کے علاوہ ان کو روزگار بھی دیا گیا۔ اب لال بیگم کا شوہر اور بیٹے ماہانہ دو ہزار کماتے ہیں۔

سردار عالیہ

(صدر ویمن آرگنائیزیشن یا تنظیم خواتین گرم چشمہ چترال)

جب عالیہ آٹھویں جماعت میں تھی تو اس کی ماں فوت ہوگئی۔ وومن آرگنائیزیشن میں عالیہ کے سوا باقی عورتیں ناخواندہ تھیں۔ اس وقت وومن آرگنائیزیشن کی تمام کاموں کی ذمہ داری ولیج آرگنائیزیشن والوں پر تھی۔ اگرچہ محلے کی تنظیم والے خواتین کی تنظیم والوں کی مدد کر رہے تھے لیکن وہ لوگ خواتین کی تنظیم کی ممبر عورتوں کی جمع کی ہوئی رقم سے قرضے لے رہے تھے۔ جب اس

بات کا پتہ چلا تو کئی عورتوں نے غصے میں آ کر تنظیم چھوڑ دی اور عالیہ سے اصرار کیا کہ وہ ووٹمن آرگنائیزیشن کی صدارت قبول کرے کیونکہ پورے گاؤں میں وہی ایک اکیلی تعلیم یافتہ تھی۔ عالیہ نے انکار کر دیا۔ جب مردوں کو پتہ چلا کہ تعلیم یافتہ عورت کے طور پر عالیہ ان کاموں میں دلچسپی لے رہی ہے تو انھوں نے عالیہ کو ہراساں کرنا شروع کیا تاہم عورت کارکنوں کی اصرار پر عالیہ تنظیم کی صدر بن گئی۔

عالیہ کے لیے یہ کام بالکل نیا تھا۔ اس نے مناسب سرپرستی اور تربیت کیلئے AKRSP والوں سے رابطہ کیا۔ انھوں نے عالیہ کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے ایک دس روزہ تربیت کا اہتمام کیا جہاں عالیہ نے کسی تنظیم کو چلانے کیلئے ضروری تربیت حاصل کر لی۔ اس کے بعد عالیہ نے تنظیم کے دیگر کارکن عورتوں کو بھی تربیت دی۔ اس نے سخت محنت سے کام کیا اور تنظیم کے سابقہ کارکنوں کو دوبارہ اس میں شامل ہونے اور اپنی بچت میں اضافہ کرنے پر آمادہ کر لیا۔

اشرفی:۔ (40 سال پرواک چترال)

اشرفی کے گاؤں کی تمام عورتیں بیکار تھیں، پہلی دفعہ ایک تنظیم کے ذریعے یہاں کی عورتوں میں اتحاد، طاقت اور محنت کا جذبہ بیدار ہوا۔ ان میں اپنے گاؤں کے حالات کے بارے میں بیداری پیدا ہوئی۔ تعلیم کے شعبے میں بھی ان کی ترقی صرف اس وجہ سے تھی کہ وہ تعلیم کی اہمیت کو جان گئی تھیں۔

یہ صرف تعلیم تھی جس نے ان کو عورتوں کا مقام اور بہن بھائیوں کی حیثیت کو جاننے میں مدد دیا۔ یہ لوگ رشتوں کا احترام کرنا سیکھ گیے تھے۔ اشرفی غیر شادی شدہ ہے۔ اس کے دو بھائی اور پانچ بہنیں ہیں۔ ایک بھائی کے چار بیٹے اور ایک کے چار بیٹیاں ہیں۔۔ ایک تعلیم یافتہ عورت کی حیثیت سے اشرفی اس بات کی حامی ہے کہ لڑکیوں کو معاشرے میں وہی حیثیت دی جائے جو ہمارے معاشرے میں لڑکوں کے لیے مخصوص ہے۔ اشرفی اپنے بھائیوں کو نصیحت کرتی ہے کہ لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر تعلیم دی جائے۔ اشرفی کے خیال میں عورتوں کی حیثیت کا تعین ابھی

تک نہیں ہوسکا۔ لوگ کہتے ہیں کہ اکیلی عورت کی گواہی نہیں ہوتی۔ اس کی نمازیں اور خدا پر اس کا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ ایک عورت کی حیثیت سے اشرفی مردوں سے سوال کرتی ہے کہ ہماری نمازیں اور خدا پر ہمارا ایمان کس جواز پر غلط یا نامکمل قرار دیا جاتا ہے جبکہ ایک مسلمان ہونے کے ناطے عورتیں بھی ایک خدا اور ایک رسولؐ پر یقین رکھتی ہیں اور انکی نمازیں خدا اور انکی رسولؐ کے لیے ہیں۔ ایسا کیوں ہے اور معاشرتی معاملات میں عورتوں کو حصہ لینے کیوں نہیں دیا جاتا؟ سولوغر گاؤں سے جب اشرفی کی بڑی بھتیجی کا رشتہ آیا تو اشرفی کے بھائی نے اس معاملے پر اس کے ساتھ بات کی۔ اشرفی خوش ہے کہ اس تنظیم کی بدولت لوگ اب اسکو اس قابل سمجھتے ہیں کہ کسی بھی اہم موضوع پر اس کی رائے لی جائے۔

زیبا

بیس سال پہلے تک وہ ایک کسان گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ گھر کے تمام افراد کام کیا کرتے تھے لیکن وہ اپنی زندگی سے مطمئن نہ تھی۔ کیونکہ اس کو بے شمار مسائل کا سامنا تھا۔ اس کی معاشی اور سماجی مشکلات تھیں۔ جب اسکے بچے اس سے کتابیں، کاپیاں اور پنسل مانگتے۔ تو اسے غصہ آجاتا تھا کہ وہ کیوں ایسی چیزیں مانگتے ہیں جو انہیں نہیں دے سکتی۔ اسے اپنے بچوں کی ضروریات پورا کرنے کے لیئے اپنے جانور بیچنا پڑے۔

اب اس کی زندگی بدل گئی۔ وہ اپنی پہلی زندگی سے زیادہ مطمئن ہے۔ اب وہ اور اسکے بچے ایک صاف ستھری زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کا ملنا جلنا تعلیم یافتہ لوگوں سے ہے جنہوں نے اپنی گردو پیش کے بارے میں اسکی سوچوں کو تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس نے سبزیاں اگانے اور مرغبانی کے بارے میں سیکھا۔ اس نے محلے کے مختلف انڈے جمع کیئے۔ جب اس کے پاس پچاس انڈے جمع ہوئے تو اس نے مرغبانی شروع کی۔ اس نے پوری محنت اور لگن سے کام کیا اور اپنی معاشی حالت کو بہتر بنایا۔ اس نے وومن آرگنائزیشن کی مدد سے چترالی پٹی، فارسٹ نرسری اور فروٹ پلانٹس پر بھی کام کیا۔

اس کا بیٹا کام کرنے کی غرض سے کراچی گیا۔ اس نے ڈینٹل ٹیکنیشن کی ٹریننگ حاصل کی۔ اب وہ یہاں پر بھی بہتر طور پر کما سکتا تھا لیکن اس نے کراچی کے اسی ٹریننگ سنٹر میں کام کرنے کو ترجیح دیا۔ جہاں سے اس نے تربیت حاصل کی تھی۔ اس نے اپنے ڈینٹل کلینک کے لیے جب ماں سے مالی تعاون کیلئے کہا۔ تو زیبا نے چار ہزار روپے دیے۔ لیکن کسی کاروبار کی ابتداء کے لیئے یہ پیسہ ناکافی تھا۔ پھر زیبا نے اپنے شوہر کے مشورے پر تھوڑی سی زمین بیچ دی۔ اور بیٹے کو پچاس ہزار روپے دئے۔ لیکن اس پر بھی زیبا کا بیٹا مطمئن نہ تھا۔ وہ ڈیڑھ لاکھ روپے مانگ رہا تھا۔ زیبا نے وومن آرگنائزیشن والوں سے قرضہ لیکر بیٹے کو دیا۔ لیکن وہ مطمئن نہ تھیں۔ کیونکہ اب وہ آرگنائزیشن والوں کی مقروض تھی اور اس کے خیال میں پیسہ غریبوں کا تھا۔ لیکن اس کے بیٹے نے وعدہ کیا کہ وہ ایک سال کے اندر یہ قرض واپس کریگا۔ اس نے ایسا کر دکھایا۔ اب وہ کراچی میں ایک مطمئن زندگی گزار رہا ہے۔ اس کا اپنا گھر ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اسکے گھر والے بھی اس کے ساتھ کراچی میں زندگی گزاریں۔

مدر ٹریسا (نوبل امن انعام یافتہ 1979 مغرب کی نمائندہ خاتون)

مدر ٹریسا 27 اگست 1910ء کو اگنس بونگز بوجیکو سکوپیے میسڈونیا میں پیدا ہوئی۔ وہ ایک البانوی نژاد خاندان سے تھی۔ بارہ سال کی عمر میں مذہب کی طرف میلان پیدا ہوا۔ اسے معلوم تھا کہ اس نے حضرت عیسیٰ کی محبت کا پیغام پھیلانے مشنری بننا ہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں اس نے اپنے آبائی گھر کو چھوڑا اور سسٹرز آف لوریٹو میں شامل ہوئی جو آئرش ننوں کی انڈیا میں کام کرنے والی ایک عیسائی تنظیم تھی۔ ڈبلن میں چند مہینوں کی تربیت کے بعد اسے ہندوستان بھیجا گیا۔ جہاں اس نے 24 مئی 1931ء کو ایک نن کی حیثیت سے کام شروع کیا۔ 1931ء سے 1948ء تک وہ کلکتہ کے سینٹ میریز ہائی سکول میں پڑھاتی رہیں۔ اس کانونٹ کے اردگرد کے مقامی لوگوں کی غربت اور مشکلات کی بھری زندگی نے اس کے دل پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ اس نے اپنے بڑوں سے اجازت لے کر کانونٹ کے اردگرد کے مقامی لوگوں کی فلاحی کاموں کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ اس وقت مدر ٹریسا کے پاس کوئی فنڈ بھی نہ تھا اور اسکو اپنے

فلاحی کاموں کیلئے Dine Providence تامی ادارے پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔ مدر ٹریسا نے ان غریب بچوں کیلئے ایک سکول بھی کھولا۔ جلد ہی رضا کار اور مالی طور پر امداد دینے والے اس کے ساتھ آ ملے اور مدر ٹریسا کیلئے اپنے کام کے دائرے کو بڑھانا ممکن ہو سکا۔

7 اکتوبر 1950ء کو مدر ٹریسا نے عیسائی پوپ کے آفس Holy See سے اجازت لے کر مشنریز آف چیریٹی کے نام سے اپنی جماعت کی بنیاد رکھی۔ اس تنظیم کا بنیادی مقصد ان لوگوں کو محبت اور تحفظ دینا تھا جن کا دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہو۔ 1965ء میں پاپ پال ہشتم کی فرمان جاری کرنے کے بعد یہ تنظیم ایک بین الاقوامی مذہبی تنظیم میں بدل گئی۔

آجکل اس جماعت کے زیر انتظام دنیا کے کئی ممالک میں راہبوں اور راہبات کی کئی مشاورتی اور عملیاتی ادارے کام کر رہے ہیں۔ 1963ء میں راہبات کی مشاورتی جماعت اور راہبوں کی عملیاتی جماعت وجود میں آئی۔ 1979ء میں راہبوں کی مشاورتی جماعت بھی اس میں شامل ہوئی اور 1984ء میں پادریوں کی جماعت بھی قائم ہوئی۔

اب مشنریوں کی یہ جماعت سابق سویت یونین اور مشرقی یورپ سمیت دنیا کے تمام ممالک میں پھیل چکی ہے۔ ایشیا، افریقہ، اور امریکا کے قدرتی آفات مثلاً سیلاب، قحط اور وبا زدہ علاقوں میں ان کارکنوں نے غریب متاثرین کو مکمل مدد فراہم کی۔ شمالی امریکا، یورپ اور آسٹریلیا میں قائم اس جماعت کے اداروں میں بے گھر، نشئی اور ایڈز جیسے لاعلاج مرض والے لوگوں کی دیکھ بھال کی جاتی ہے۔

پوری دنیا میں ان مشنریز کو ذیلی کارکنوں کی مدد اور اعانت حاصل ہے۔ 19 مارچ 1969ء کے بعد ذیلی کارکنوں کی ایک بین الاقوامی انجمن وجود میں آ چکی ہے۔ 1990 کے اعداد و شمار کے مطابق 40 سے زیادہ ممالک میں دس لاکھ سے زیادہ ذیلی کارکن کام کر رہے ہیں۔ یہ تمام کارکن چیریٹی کے مشنری ہیں۔ مدر ٹریسا کے انسانی فلاحی کاموں کو پوری دنیا میں تسلیم کیا گیا ہے اور انہیں کئی بین الاقوامی ایوارڈز سے نوازا گیا جس میں 1971ء کی پال جان بیست وسوئم امن انعام اور بین الاقوامی امن اور باہمی افہام و تفہیم کیلئے ان کے کاموں کے

رضا کی والدہ نے اس کی نعش پر جو نوحہ پڑھا وہ ہر محب الوطن بلتستانی کے لیے ایک مرثیہ کا اثر رکھتا ہے۔ اسے ہر اجتماع میں پڑھا جاتا ہے۔ باپ کی گرفتاری کے بعد شاہی محل میں موجود دوسرے بیٹے اپنے والد کی جان خطرے میں دیکھ کر خود کو ڈوگروں کے سپرد کرنے پر مجبور ہوئے۔خود دولت خاتون بھی گرفتار ہوئی۔ دولت خاتون کی ادبی تربیت کی وجہ سے انکا چھوٹا بیٹا حسین خان محب اپنے بلند پایہ مراثی کی بدولت بلتی زبان کا مرزا انیس کہلایا۔ لطف علی خان عاشق فن پہلوانی کا ماہر اور بلتی و فارسی زبان کا شاعر تھا۔

دولت خاتون نے اپنی اولاد کو حیا کا ایسا درس دیا تھا۔ کہ انکی بیٹی زہرا بیگم جب خپلو میں بیاہ کر آئی۔ تو مردوں کے علاوہ خپلو کی ان خواتین سے بھی پردہ کرتی تھیں۔ جنکے مردوں نے احمد شاہ کی فوج کو کسی نہ کسی طرح نقصان پہنچایا تھا اور بلتستان کے ساتھ غداری کے مرتکب ہوئے تھے۔

اپی رحیم بی ساکن ستق:

بلتی زبان میں "اپی" دادی یا بوڑھی کو کہتے ہیں۔ اس لیے موضع ستق کے حوالے سے اپی رحیم بی گلگت کے دادی جواری کے مقابلے میں ہے۔

واقعہ یوں ہے: کہ موضع ستق بلتستان کی آخری وادی ہونے کی وجہ سے بروشال سے آنے والے حملہ آوروں کی زد میں رہتا تھا۔ ایک دفعہ ان حملہ آوروں نے ستق پر حملہ کیا اور مردوں کو یرغمال بنایا۔ ان میں کم ہی لوگ جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ یرغمالی کے دوران پورے ستق کی کھیتی باڑی کو اپی رحیم بی نے سنبھالا۔ اس دوران اپی رحیم بی کو پتہ چلا کہ پانی پہنچانے کے ذریعے تسلی بخش نہیں ہیں۔ اس لیے اپی رحیم بی نے آبپاشی کے نظام کو نئے سرے سے ترتیب دیا۔ کئی نہریں کھدوائیں اور موجود نہروں کے گذرگاہوں کو بدل کر ایک منظم نظام کا حصہ بنایا اور آب پاشی کے نظام کو اس طرح سے ترتیب دیا۔ کہ کھیت تک پانی لانے کے لیے ہر وقت ندی تک جانے کی ضرورت نہ پڑے۔

علویہ خانم موسوی!

علویہ خانم بلتستان کے مشہور عالم سید عباس موسوی شگری کی بیٹی ہے۔ آپ کی پیدائش 1927ء میں چھترون کے گاؤں میں ہوئی۔ اس گاؤں کو گرم پانی کے چشمے کی وجہ سے انکے والد نے اپنی سکونت کے لیے منتخب کیا تھا۔ اور اسی علاقے میں محلہ پروتسر کے معزز خاندان ولی پا کی ایک خاتون فاطمہ بی سے شادی کی تھی۔ فاطمہ بی کے بطن سے سید عباس کے ہاں ایک بیٹا سید محمد طٰہٰ اور ایک بیٹی علویہ پیدا ہوئی۔ علویہ خانم تین سال کی تھی کہ بزرگ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ علویہ کی پرورش والدہ نے اور علمی تربیت انکے بڑے بھائی سید محمد طٰہٰ نے کی۔ فقہ میں غایۃ الحرام اور سیوطی تک کی مکمل تعلیم گھر میں اپنے بھائی سے حاصل کی۔ اسکے علاوہ دستکاری میں بنائی، سلائی، کڑھائی وغیرہ میں بھی مہارت حاصل کی۔ اس کے بعد انکی شادی گول سکردو کے ایک علمی گھرانے میں پہلے سید مہدی اور انکی وفات کے بعد انہی کے چھوٹے بھائی سید عنایت حسن سے ہوئی۔ اپنے شوہر سید عنایت حسن کے ہمراہ تعلیم کی خاطر نجف اشرف کا سفر کیا۔ اور 7 سال تک نجف اشرف میں رہی۔ اور رسائل اور مکاسب تک کی تعلیم حاصل کی۔ جو علمی لحاظ سے ایک اعلٰی درجہ شمار ہوتا ہے۔ نجف میں بھی علویہ خانم کا طرہ امتیاز یہ رہا کہ مجتہدین سے ملنے والے وظیفہ کو صرف انتہائی ضرورت کے لیے لیتی تھی۔ بلکہ اپنے ہاتھ کی محنت سے اپنے خاوند اور بچوں کا پیٹ پالتی تھی۔ عراقی عبا کی سلائی کرتی تھی۔ عمامہ کی ٹوپی بنتی تھی۔ انکو بیچ کر گزارہ کرتی تھی۔ پاکستان اور تبت کے علاقے سے واحد طالب علم خاتون ہونا انکے لیے دوسرا اعزاز تھا۔ نجف سے واپسی پر گول میں خواتین کی علمی سرپرستی فرماتی رہیں۔ پورے علاقے کی خواتین روزمرہ کے مسائل کے لیے ان سے رجوع کرتی ہیں۔

علمی خدمات کے علاوہ علویہ خانم گھریلو معاملات میں بھی خواتین کے لیے عملی نمونہ ہیں۔ علویہ خانم نے اپنی دستکاری کی آمدنی سے کچھ زمینیں بھی خرید کر اپنے شوہر کی زرعی جائیداد میں اضافہ کیا ہے۔ علویہ خانم نے گھر کے ساتھ ایک رقبہ کی چاردیواری کرائی ہے۔ تاکہ پردہ میں رہ کر زراعت کا کام کر سکے۔ زیادہ تر نقد آمدنی والی فصلیں اُگاتی ہیں۔ جن میں خربوزہ، پیاز، آلو

اور دیگر سبزیاں شامل ہوتی ہیں۔

اعلیٰ قسم کے سیب، آڑو پیدا کرنا بھی ان کے مشاغل میں شامل ہے۔ ان کی ایک ہاتھ میں تسبیح ہوتی ہے جس کے ساتھ وہ ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول رہتی ہے اور دوسرے ہاتھ میں درانتی ہوتی ہے۔ جس سے وہ فصل سے فاضل جڑی بوٹیوں کو صاف کرتی ہے۔ اور زمین کو نرم کرتی ہے۔ علویہ خانم نے حج بیت اللہ کی سعادت بھی حاصل کی۔ لیکن اس خرچہ کا زیادہ حصہ اپنے ہاتھ کی کمائی اور فصلوں کی آمدنی سے ادا کیا۔ علویہ خانم کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔ بیٹے کی پوری تعلیم اپنی نگرانی میں مکمل کرائی ہے۔

علویہ بیگم علمی لحاظ سے، ایمان وعفت کے لحاظ سے، خانہ داری کے لحاظ سے اور تربیت کے لحاظ سے ایک مثالی خاتون ہیں۔ راقم ضروری امور دینی میں انہی سے راہ نمائی حاصل کرتا ہے۔ امام خمینی کے وفات کے بعد آیۃ اللہ اراکی کے وفات پر مرجع تقلید کے لیے راقم نے انہی سے مشورہ کیا۔ علویہ خانم نے کہا کہ سید علی خامنائی میری آنکھوں کا نور ہیں۔ انکے ہوتے ہوئے کسی اور سے رجوع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیا ہی عظمت اور بصیرت ہے۔ کہ علویہ خانم کی "آنکھوں کا نور" دنیا میں اسلام کی روشنی پھیلا رہا ہے۔

امینہ خاتون (غیب والی دادی)!

غیب والی دادی ایک دیومالائی حیثیت کی حامل ایک شخصیت گزری ہیں۔ انکی کہانی پر ایک رومانوی افسانے کا گمان ہوتا ہے۔ لیکن اصل میں یہ ایک تاریخی اور عرفانی حقیقت ہے۔ غیب والی دادی ایک عماچہ شہزادی تھی۔ عماچہ خاندان کے لوگ انکو "غیب والی دادی" کے نام سے جانتے ہیں۔ واقعہ یوں ہے۔ کہ آمینہ خاتون عماچہ راجہ عبداللہ خان کی بیٹی تھی۔ ان کے زمانے میں تقریباً 1550ء میں سلطان سعید خان والئی کاشغر کے حکم سے مرزا حیدر گورگان نے گلگت بلتستان پر خنجراب کے راستے سے حملہ کیا۔ اور بشمول شگر سارے علاقے کو فتح کیا۔ مفتوحہ راجوں کے ساتھ انکا سلوک شاید اچھا تھا۔

شگر میں بھی مفتوحہ راجوں کو قتل یا یرغمال بنانے کے بجائے انکو اپنی جگہ پر عزت کے ساتھ برقرار رکھا۔ کچھ خراج تاوان وغیرہ لیا ہوگا۔ البتہ عبداللہ خان سے اسکی بیٹی کا رشتہ مانگا۔ باپ نے تو مجبوراً ہاں کہا۔ لیکن بیٹی نے بدھ مت کے علاقہ میں بیاہ کر جانے سے انکار کیا۔ اس پر غیب والی وادی کے اتالیق بوازنگپہ نے مداخلت کی۔ اور آمینہ خاتون کو سمجھایا کہ تمہارا انکار تمہارے پورے خاندان پر تباہی لاسکتا ہے۔ اس لیے ہاں کرنے میں بہتری ہے۔ اللہ تمہیں بدھ مت کے علاقے میں تنہائی کے صدمہ سے بچائیگا۔

اس زمانے میں بلتستان کے شاہی محلات میں اولاد کی تعلیم کا بڑا اہتمام ہوتا تھا۔ غیب والی وادی کا اتالیق بوازنگپہ بھی ایک اچھا عالم خداترس اور صوفی بزرگ تھا۔ آمینہ خاتون کو اپنے اتالیق کے دینی مرتبے کا علم تھا۔ اس لیے ہاں کہا۔ اور رسم و رواج کے مطابق انہیں دلہن کا لباس پہنایا۔ اور سجدے میں گئی (یہ ایک رسم ہے)۔ اتالیق نے سجدہ کے آداب بتائے اور دعائیں تلقین کرتے رہے۔ جب دعائیں ختم ہوئیں اور سہیلیوں نے دلہن کو سجدہ سے اٹھانا چاہا تو صرف دلہن کا لباس جائے نماز سے الگ ہو کر ہاتھ میں آیا۔ اور دلہن سہیلیوں اور خواتین کے جھرمٹ میں غائب ہوگئی۔ فوراً شور مچا۔ اس مجلس میں شاید مرزا گورگان کے معتمد لوگوں کی خواتین بھی موجود تھیں۔ اس لیئے دلہن کے والد شگر کے رعبہ پر شک کرنے کے بجائے اتالیق کو مرزا حیدر گورگان کے حکم پر قتل کیا گیا۔ بوازنگپہ کی قبر اب بھی شاہی قبرستان کے انتہائی شرقی کونے میں مرجع خلائق ہے۔ لوگ اپنی نیتیں لیکر دعا کے لیے آتے ہیں۔

غیب والی وادی کی روح اب بھی شگر کے شاہی محلات کے کمروں میں پھرتی رہتی ہے۔ اور شاہی خاندان کے لوگوں کو ناگہانی واقعات سے آگاہ کرتی رہتی ہے۔ خوشی کے کسی موقع سے پہلے محل کے کمروں سے رونے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ جبکہ غمی کے موقع سے پہلے قہقہے کی آوازیں سنائی دیتی ہیں اس طرح غیب والی وادی کی طرف سے چونے کا ٹکڑا غمی کی اور کوئلہ کا ٹکڑا خوشی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

"غیب والی وادی" کی کہانی غیرت کی کہانی ہے، علاقے سے محبت کی کہانی ہے۔

ایمان اور حیا کی کہانی ہے۔ دولہن بن کر بھی دشمن کے گھر میں جانے کے بجائے موت اور فنا ہونے کو ترجیح دینے کی کہانی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ رب العزت کے دربار میں اس جذبے کی پذیرائی کی کہانی ہے۔ جو ہر عورت کے لیے ایک فخر کا موقع ہے۔

زھرا بیگم نچلو!

زھرا بیگم آخری مقپون تاج دار احمد شاہ کی بیٹی تھی۔ جو غازی حیدر خان عماچہ شگر کی بہن حلیمہ خاتون کے بطن سے تھی۔ ابھی بالغ ہوئی تھی۔ کہ والد کے ہمراہ گرفتار ہوئی۔ گرفتاری میں والد، والدہ، چار بھائی انکے ساتھ تھے۔ جو مشقت تھی اور اذیت تھی۔ وہ سب نے مل کر برداشت کی۔ سلطنت سے محرومی، علاقے سے جدائی، دشمن دیس، غیر یقینی مستقبل سب ساتھ تھے۔ سارے خاندان نے مل کر مقابلہ کیا۔ دو تین سال کشتواڑ کی جیل میں رہے۔ جب بلتستان کے دوسرے راجوں نے ندامت محسوس کی۔ تو کسی نہ کسی طریقے سے اس خاندان کی مدد شروع کی۔ نچلو کے راجہ دولت علی خان نے مہاراجہ گلاب سنگھ سے درخواست کی۔ کہ احمد شاہ سے زھرا بیگم کو اپنے بیٹے احمد علی خان سے رشتہ مانگنے کی اجازت دے۔ اس کے لئے سلسلہ جنبانی ہوئی۔ احمد شاہ نے شاید ڈوگرہ قیدی پر محمد علی خان کی دامادی کو ترجیح دی۔ یوں شادی ہوئی۔ جب دلہن نچلو کے محل میں شہزادی بن کر آئی تو نچلو کی معزز خواتین حسب دستور تحفہ تحائف لیکر حاضر ہوئیں۔ تعارف ہوا۔ پہلے ہی نمبر پر حیدر خان۔ سکو کی بیوی بیٹھی تھی۔ جس نے چھوربٹ میں احمد شاہ کی فوج کو دھوکہ دیکر ڈوگرہ فوج کی مدد کی تھی۔ زھرا بیگم نے کہا کہ یہ میرے باپ کے دشمن کی بیوی ہے۔ اس سے پردہ کراؤ۔ دوسری خواتین کا تعلق بھی کسی نہ کسی طرح ڈوگرہ وفاداری سے تھا۔ زھرا بیگم کی غیرت احمد شاہ کی بیٹی نچلو کی ساری زندگی پردے کی حالت میں گزری۔ جب بیٹا حاتم خان اور بیٹی شاہ جہان پیدا ہوئے تو زھرا بیگم کا دل بہلنے لگا۔ اپنے خاندان کی روایتوں، قصے کہانیوں اور کشمیر میں بچھڑے ہوئے خاندان کی یادوں کو اپنے بیٹے اور بیٹی کے حوالہ کر دیے۔ اور انکو باعلم، باکردار اور باعزت اولاد بنا کر دم لیا۔ زھرا بیگم کی تربیت کی وجہ سے حاتم خان۔ سکو اور شاہ جہان بیگم دونوں بلتی اور فارسی کے قادر الکلام شاعر ہوئے۔ اور مذہبی شاعری میں بڑا نام پیدا کیا۔ زھرا بیگم غیرت،

حمیت اور تربیت اولاد کے حوالے سے ایک مثالی خاتون کی حیثیت رکھتی ہیں۔

شاہ جہان بیگم!

زھرا بیگم کی بطن سے ییگو محمد علی خان کی بیٹی تھی۔ زھرا بیگم نے آزاد بلتستان کے آخری تاجدار خاندان میں اپنی یادوں کے ساتھ ساتھ آزادی کی تڑپ اور غیرت اور حمیت کو اپنے دودھ کے ساتھ اور اپنی تربیت کے ساتھ شاہ جہان بیگم کے حوالے کیا تھا۔

شاہ جہان بیگم کی ماں کا زیادہ تر وقت شاہ جہان بیگم اور اسکے بڑے بھائی حاتم خان کی تربیت میں گزرتا تھا۔ شاہ جہان بیٹی کا نام بھی بلتستان میں ایک آزاد حاکم کی خواہش کا آئینہ دار تھا۔

عورتوں کے لیے اس نام کا رواج دنیا میں کہیں بھی نہیں ہے۔ بلتستان میں بھی شاہ جہان بیگم سے پہلے یہ نام نہیں ملتا ہے۔ البتہ شاہ جہان بیگم کے بعد یہ نام ہر خاندان کے لیے علامت سمجھا جاتا ہے۔ بلتستان کے ریحہ خاندان میں اسکے بعد ہر چہیتی بیٹی کا نام شاہ جہاں بیگم رکھا گیا۔

شاہ جہان بیگم کے بچپن میں اپنے ننھیال مقپون خاندان کے واقعات اور زھرا بیگم کی ننھیال اماچہ خاندان کے واقعات پوری طرح سنی تھی۔ اس لیے جب زھرا بیگم کا ماموں زاد بھائی زڈی مل کے قید سے چھوٹ کر آیا۔ تو شاہ جہان کے لیے ایک مونس اور غمگسار ساتھی بن گیا۔ اور ہمیشہ ساتھ زندہ رہنے اور مرنے کی باتیں ہوئیں۔

مراد علی خان عماچہ چند سال چپلو میں رہنے کے بعد شگر کے اپنے نئے گھر میں آباد ہوا۔ اور شادی کی تیاریاں کرنے لگا۔ اچانک معلوم ہوا کہ ییگو محمد علی خان نے شاہ جہان کی شادی کسی اور راجے سے طے کی ہے۔ جسکو ڈوگرہ آشیرباد حاصل ہے۔ مراد علی خان بڑا سٹپٹایا۔ ایک غزل لکھی۔ اور چپلو بھیج دیا۔ شاہ جہان نے اس غزل کا جواب لکھ کر واپس بھیج دیا۔

جب مراد خان 1221 ہجری میں فوت ہوا۔ تو سکردو کے سید فضل شاہ مرحوم نے یہ مشہور تاریخی شعر کہا۔

در مرائی محتشم در نقش مانی بود و باز

در رقم یاقوتی و در منقبت بادل مراد

یعنی مراد مرثیہ گوئی میں مرزا محتشم کی طرح تھا۔ اور نقاشی میں ایران کے مشہور نقاش مانی کی طرح۔ خوش نویسی میں یاقوتی تھا۔ تو قصیدہ گوئی میں مرزا بادل کی طرح تھا۔

یاقوتی کی طرح ہونا، اور مانی کا ہم پلہ ہونا مراد علی خان کا اپنا کمال تھا۔ لیکن مراد کو محتشم اور مرزا بادل بنانے میں شاہ جہان بیگم کا بھی حصہ تھا۔ کہتے ہیں کہ آخری عمر میں میاں بیوی دونوں اونچا سنتے تھے۔ اس لیے دونوں اپنے سامنے کشمیری طرز کا قلمدان اور کاغذ رکھتے تھے۔ دونوں اپنے مافی الضمیر کو لکھ کر ایک دوسرے کی طرف بڑھا دیتے۔

امید کی کشتی کو مخالف ہوا کے تھپیڑوں کی زد میں دیکھ کر گھبرانا نہیں چاہئے۔ اے مراد انتظار کرو، موافق ہوا بھی چلیگی، بظاہراً یہ یقین دہانی تھی۔ کہ اپنی مرضی سے ہی کام انجام پائینگے۔ اور ذوگرہ سرکار کی مرضی نہیں چلے گی۔ بین السطور میں مراد کے تخلص کے ساتھ اپنے شعر کو مقطع قرار دیکر یہ سمجھانے کی کوشش کی گئی تھی۔ کہ جس طرح میرا شعر تیری غزل کا حصہ ہو گیا ہے۔ میری زندگی بھی تیری زندگی کا حصہ ہوگی۔ وہ بھی ادب کے لحاظ سے حسب مراتب کے ساتھ۔

یہ غزل اور اس کا جوابی مقطع بلتی ادب میں ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ اس کا پس منظر اس کو اور دلچسپ بناتا ہے۔ اس پس منظر کا تاریخی پس منظر اس واقعے میں اہمیت، جاذبیت اور عظمت پیدا کرتا ہے۔

مراد علی خان کی غزل میں یہ شعر شاہ جہان کے نام سے جانا پہچانا ہے۔ اسکے علاوہ بھی خاندانی روایت یہ ہے کہ مراد علی خان اماچہ کے کلام کا ایک خاصا حصہ شاہ جہان بیگم کے کلام پر مشتمل ہے۔ تاریخی اور ادبی حوالہ کے علاوہ شاہ جہان بیگم کی گھریلو زندگی بھی عورتوں کیلئے نمونہ ہے۔

مراد خان جب شگر آیا تھا۔ تو وہ تقریباً بے گھر تھا۔ اس کے باپ کے شاہی محل پر تیسری پشت کے چچازاد بھائیوں کا قبضہ تھا۔ باپ کی زمین ڈوگروں نے اپنے حامی راجاؤں اور وزیروں میں تقسیم کی تھی۔ اس لیے مراد خان اور شاہ جہان کو زندگی کا نیا سفر شروع کرنا تھا۔ شاہ جہان بیگم نے ڈوگرہ نوازشات سے بھرپور غلامی پر آزاد فضا میں صفر ہونے کو ترجیح دی تھی۔ اس لیے اسی صفر سے سفر شروع کرنی تھی۔ اس سفر کا آغاز دونوں میاں بیوی نے مل کر بڑی خندہ پیشانی سے کیا۔ شگر میں اپنے باپ کے پرانے حامیوں کی مدد سے زمینیں آباد کیں۔ جس میں بڑے بڑے رقبے شامل تھے۔ ان میں کھیت اور باغات لگوائے۔ خوبانی کے ہزاروں درخت کھیتوں کے ارد گرد لگوائے۔ اور چند ہی سال میں شاہ جہان بیگم سب سے زیادہ خوبانی کی فصل اٹھانے والی کسان عورت بن گئی۔ کاشتکار عورتوں کی مدد سے شاہ جہان بیگم نے اپنے چھوٹے سے گھر کو کشادہ کیا اور محل نما گھر تعمیر کیا۔ جس کا نقشہ بہت عمدہ تھا۔ اس میں خواتین کے لیے الگ حصے اور ان میں ملحقہ حمام اور غسل خانے تھے۔

رانی فخر النساء مقپون!

رانی فخر النساء سلطان مراد مقپون کی بہن تھی۔ انکی شادی امام قلی خان عماچہ کے بیٹے اعظم خان کے ساتھ ہوئی۔ امام قلی خان کے زمانے میں سکردو کے مقپون دربار میں اس کا اثر و رسوخ بہت بڑھ گیا تھا۔ اعظم خان شگر نے اپنی رانی کے بھائی سلطان مراد کو شگر دعوت کے بہانے پر بلا کر کوارڈو سے شگر دریائے سندھ کو زق پر عبور کرتے ہوئے دریا برد کرایا۔ اور اپنی رانی فخر النساء کو اپنے بھائی کے ناگہانی مُوت کی خبر دی۔ رانی فخر النساء جو بھائی کے استقبال کی تیاریاں کر رہی تھی۔ کافی رنجیدہ ہوئیں لیکن حوصلہ سے کام لیا۔ جب رسومات کے تین دن پورے ہوئے۔ اور اعظم خان نے رانی فخر النساء بیگم کو سوگ ختم کرنے اور علامتی غسل ماتم کرنے کے لیے کہا۔ تو غصے سے بولی کہ میں یہ غسل تمہارے غسل ماتم کے ساتھ کرونگی۔ یہ کہہ کر اعظم خان سے علیحدگی اختیار کی۔ برق نق کی آبادی اور ایک ڈھال سونا مہر میں دیکر اعظم خان نے فخر النساء کو طلاق دی۔ فخر النساء اپنے بیٹے سلیمان خان کو لیکر اپنے بھانجوں کے ہمراہ کھرپوچو میں رہنے لگی۔

اور سلیمان خان کو شگر کا رجبہ بنانے کے لیے اس کی تربیت کرنے لگی۔ساتھ ساتھ اعظم خان سے اپنے بھائی کا انتقام لینے کی تگ و دو میں بھی رہی۔

اعظم سے صبر میں لیا ہوا نصف سونا اپنے بیٹے سلیمان خان کے رضاعی والد "بر تھمس پادی" کو دیا۔اور اسے اعظم خان کو قتل کرنے کا وعدہ لیا۔ولی کی مدد کے لیے غفوایا خاندان کی وزیروں کو بھی آمادہ کیا۔اور ایک بڑھئی کی مدد لی۔جس کا نام شنگ کھن آرہ پا تھا۔جس نے آری کی مدد سے اعظم خان کی خواب گاہ کا دروازہ چیر کر کھولا اور سازشیوں نے اعظم خان کو قتل کیا۔شاید آری کے استعمال کی وجہ سے بڑھئی کا نام آری والا بڑھئی ہو گیا۔اور خاندان والے بھی آری والے ہو گئے۔بہر حال فخر النساء نے اپنے بھائی کی بے جا قتل کا بدلہ لیا۔اور مقبون خاندان کی غیرت کو ثابت کیا۔

اعظم خان کے قتل کے بعد فخر النساء نے اپنے بیٹے کو اسی ولی کے ہمراہ شگر بھیجا۔تا کہ شگر کے تخت و تاج کا مالک بن جائے۔راستے میں ولی نے لڑکے سے پوچھا۔کہ باپ کے قاتل شگر میں ہونگے۔آپ ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرینگے۔لڑکے نے چھری سے کھیرے کو کاٹتے ہوئے (کھیرے سفر میں پیاس بجھانے کے لیے لیجاتے تھے) کہا۔کہ اس طرح سب کو تہ تیغ کرونگا۔ولی گھبرایا اور موقع دیکھ کر لڑکے کو راستے میں ہی قتل کیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ فخر النساء کو بھائی کے صدمے کے بعد خاوند سے الگ ہونا پڑا تھا۔اب بیٹے کا صدمہ بھی برداشت کرنا پڑا۔

فخر النساء کی کہانی ایک ایسی عورت کی کہانی ہے۔کہ خاندان کی غیرت کی خاطر سب کچھ کر گزرنے پر تیار ہو جاتی ہے۔اور عورت سے شیرنی بن جاتی ہے۔

شاہ جہان بیگم۔بگو!

آپ۔بگو محبوب علی خان کی اکلوتی بیٹی اور۔بگو ناصر علی خان کی منکوحہ ہیں۔ناصر علی خان راجہ فتح علی خان کے دو بیٹوں میں سے چھوٹا ہے۔

اگرچہ چیلو کے شاہی محل میں پڑھائی کا رواج بہت پہلے سے تھا۔ چند پشت پہلے بھی اس محل سے ممتاز مرد اور خاتون شعرا پیدا ہوتے رہے۔ شاہ جہان کی تین پھوپھیوں نے سری نگر سے مڈل تک تعلیم حاصل کی تھی۔ لیکن مرور زمانہ نے اس محل میں تعلیم کی اہمیت کو کم کیا تھا۔ اور شاہ جہان بیگم بھی مڈل سے آگے نہ پڑھ سکی۔

لیکن شاہ جہان بیگم نے سماجی خدمت کے سلسلے میں نام پیدا کیا۔ شاہ جہان بیگم اپنے علاقے کے مریضوں، ناداروں اور مجبور لوگوں کا بڑا خیال رکھتی ہے۔ مریضوں کے معالجے کے لیے ساتھ لیجاتی ہے۔ ڈاکٹرز کی فیس خود ادا کرتی ہے۔ اور علاج کے علاوہ آمدورفت کا خرچہ بھی خود برداشت کرتی ہے۔

انکے والد راجہ محبوب علی خان مرحوم نے راقم کو بتایا کہ میں شروع شروع میں شاہ جہان کو پاگل سمجھتا تھا۔ محل کے ساتھ ایک کاشتکار کا گھر ہے۔ اسکی بیوی کو دردزہ کی تکلیف ہوئی۔ جنین رحم کے اندر پھنسا ہوا تھا۔ خاتون کی حالت غیر تھی۔ شاہ جہان میرے پاس روتے ہوئے آئی۔ اور 5000 روپے کا مطالبہ کیا۔ میں نے کہا کہ وہ عورت بچ نہیں سکتی پیسے بھی ضائع ہو نگے۔ شاہ جہان نے روتے ہوئے کہا کہ آپ سے پیسے مانگ رہی ہوں۔ جلدی کریں بحث نہ کریں۔ میں نے 500 روپے تو دیئے۔ لیکن عورت کے ساتھ رقم کا بھی ضائع ہونے کا افسوس رہا۔

تقریبا دو ہفتے کے بعد ایک دن وہ عورت اپنے گھر سے نکل کر محل کی طرف آرہی تھی۔ مجھے دیکھ سلام کہا۔ مجھے یقین نہ آیا۔ کہ وہی عورت زندہ بچ گئی ہے۔ لیکن جب یقین آیا۔ تو رقم کے ضائع ہونے کا احساس ختم ہوگیا۔ اور یہ خیال کیا کہ پیسے نیک کام میں لگے۔ اس کے بعد میں نے شاہ جہان کا کوئی ایسا مطالبہ رد نہیں کیا۔

اس کے علاوہ شاہ جہان بیگم اپنے علاقے کے یتیم لڑکے اور لڑکیوں کو محل میں لاتی ہے۔ ان کی دیکھ بھال اپنے بچوں کی طرح کرتی ہے۔ پڑھاتی ہے اور ان کی شادی کر کے اپنے آپ کو سبکدوش سمجھتی ہے۔ آج کل لوگ سماجی خدمت صرف کمانے کی خاطر کرتے ہیں۔ شاہ جہان اپنی پونجی سے سماجی خدمت کرتی ہے۔ اس لیے ایک مثالی حیثیت رکھتی ہے۔ انگلو پاکستان سوشل ایسوسی

ایشن نے تمغہ قائداعظم سے بھی نوازا ہے۔

فوزیہ سلیم عباس

خاندانی پس منظر

آپکے خاندان کا تعلق بلتستان کا علاقہ کھرمنگ سے ہے تقسیم ہند سے بہت پہلے انہوں نے شملہ ہجرت کیا آپ کے نانا شملے کے منیجر کے عہدے پر فائز رہے جبکہ آپ کے والد کے ماموں نے شملہ یا کھڑا ڈیم اور مثل تعمیر کیے۔ بعدازں ان دونوں کو اپنی سیاسی وسماجی خدمات کی بنا پر حکومت برطانیہ نے خان بہادر کا لقب دیا آپ کے والد ایس ایم اصغر رائل ائرفورس کے پائلٹ تھے 1947ء میں تقسیم ہند کے بعد وہ پاکستان آئے اور پاکستان ایئرفورس میں شامل ہوئے راولپنڈی اور سکردو کے درمیان پہلی پرواز کا سہرا انہی کے سر ہے۔

ابتدائی زندگی

فوزیہ سلیم 1952ء میں لاہور میں پیدا ہوئیں ابتدائی تعلیم انہوں نے کراچی سینٹ پیٹرک سکول سے حاصل کیا مری کے کانونٹ سکول میں زیر تعلیم رہیں پھر پنجاب یونیورسٹی سے گریجویشن کیا۔

آپ کی خدمات اوراعزازات:

آپ کو ناردرن ایریاز کونسل کی پہلی منتخب خاتون رکن ہونے کا اعزاز حاصل ہے فوزیہ سلیم عباس کو شمالی علاقہ جات کی خواتین میں سے یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ شمالی علاقہ جات سے تعلق رکھنے والی پہلی خاتون ہیں جنہوں نے قومی اسمبلی کے انتخاب میں حصہ لیا اور وہ بھی ملک کے دارالحکومت

اسلام آباد کے حلقے سے انہوں نے پاکستان کے سپریم کورٹ میں شمالی علاقہ جات کی آئینی حیثیت کے متعلق اپیل دائر کی اور پاکستان سپریم کورٹ سے فیصلہ حاصل کیا۔ جب ناردرن ایریاز کونسل کی ممبر تھیں تب سکردو میں سماجی بہبود کے لئے بڑے کام کئے۔ سکردو کے ضلعی ہسپتال کیلئے تعمیر وطن پروگرام سے تقریباً بیس لاکھ روپیہ کا فنڈ حاصل کیا۔ اسکے علاوہ طبی آلات کی خریداری، بچوں کے وارڈ کی تعمیر اور دوائیوں کا بنک قائم کرنے میں مدد فراہم کی۔ اس کے علاوہ مختلف تنظیموں کی مدد سے سکردو، خپلو، شگر اور بشام میں مفت میڈیکل کیمپ لگوائے۔ اپنے علاقے کی ترقی کے لئے مختلف موضوعات پر سیمنار اور کانفرنس منعقد کرائے۔ اب تک سات سو سے زیادہ ملکی و غیر ملکی روز ناموں، ہفت روزوں اور رسالوں میں ان کے مضامین، انٹرویو پریس ریلیز اور پریس کانفرنس کی رپورٹس شائع ہو چکی ہیں جو سب کے سب شمالی علاقہ جات کی آئینی حیثیت کا تعین، سماجی ترقی اور سیاسی اصلاحات کے لئے ہیں

گلتری کے مہاجرین جو ہندوستانی فوج کی فائرنگ کی زد میں آنے کی وجہ سے بے گھر ہو گئے تھے کی آبادکاری، شینکس کے زلزلہ زدگان کی امداد اور کورادو استور کے سیلاب زدگان کی بہبود کے لئے گراں قدر خدمات انجام دیں۔

حال ہی میں انہوں نے اپنی سماجی خدمات کو دوام دینے کی خاطر بلتستان رورل سپورٹ پروگرام کے نام سے ایک غیر حکومتی ادارہ تشکیل دیا جو بلتستان میں سماجی خدمات انجام دے رہا ہے اچھی نسل کی بیسیوں گائے سکردو کے دیہاتوں میں تقسیم کر چکی ہے۔

محمودہ بیگم

آپ خان بہادر مرزا بدرالدین اور مرزا حسین عباس کی چھوٹی بہن تھیں۔ مرزا بدرالدین کا شمار شملہ کے بڑے ٹھیکداروں میں ہوتا ہے۔ مرزا حسن عباس شملہ میں مسلم لیگ کے سیکریٹری جنرل تھے اس وجہ سے مسلم لیگ کے مرکزی اکابرین کے ساتھ ان کے گھریلو مراسم تھے محمودہ بیگم کو بچپن میں معیاری تعلیم ملی اور ابتدائی جوانی میں سیاسی شعور۔

جب قائداعظم اور محترمہ فاطمہ جناح تقسیم ہند سے پہلے شملہ میں مقیم بلتستانیوں کی دعوت پر شملہ تشریف لے گئے تو محمودہ بیگم سمیت بلتستانی عورتوں نے محترمہ فاطمہ جناح کا پرتپاک استقبال کیا۔ مادر ملت نے انہیں شملہ میں مسلم لیگ خواتین کی شاخ قائم کرنے کی ہدایت کی۔ بلتی خواتین نے مل کر عمل کیا محمودہ بیگم اس شاخ کی ایک فعال کارکن تھی۔

قیام پاکستان کے بعد شملہ میں کاروبار اور جائیداد کو خیر باد کہہ کر محمودہ بیگم کا خاندان اسلامی جذبے سے سرشار پاکستان پہنچا۔ یہاں پہنچ کر یہ خاندان اس المیے کا ایک حد تک شکار ہوا جو اس تحریک کی کامیابی کے بعد کسی نہ کسی صورت میں رونما ہوتا رہا اور یہ شعر جس کی تقریباً مکمل عکاسی کرتا ہے۔

نیرنگئی سیاست دوران تو دیکھئے

منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

بہر حال یہ خاندان اپنی تعلیمی قابلیت محنت کا جذبہ اور تجربوں کی بدولت یہاں بھی اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا لیکن ایک جگہ خاندان کے طور پر بسنے کا موقع نہ ملا اور مختلف شہروں میں بکھر گئے۔ خان بدرالدین راولپنڈی میں رہنے لگا۔ محمودہ بیگم کا گھر لاہور میں بس گیا یہاں بھی محمودہ بیگم نے اپنے بچوں کو اعلیٰ معیار کی تعلیم دلوائی۔ اور اچھے عہدوں پر فائز کرایا۔ سید عالم استوری نے فوزیہ سلیم کے گھر میں 1984ء میں محمودہ بیگم کا انٹرویو لیا۔ اس وقت محمودہ بیگم خالہ محمودہ کہلاتی تھی انہوں نے لکھا تھا ایک معمر خاتون ہاتھ میں تسبیح لئے آئیں اور انہوں نے مادر ملت اور مسلم لیگ سے اپنے رابطوں کی کہانی سنائی۔

راقم کو بھی خالہ محمودہ سے ملنے کا شرف حاصل رہا ہے خالہ محمودہ بلتستان سے آئے ہوئے کسی بھی صاحب علم کو دیکھ کر خوش ہوتی تھیں انہیں اپنے گھر بلا کر ان کی حوصلہ افزائی کرتیں۔ مجھ سے ملنے کے لئے ایک دفعہ وہ خود کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے ہاسٹل میں تشریف لائیں فرمانے لگی کہ میں تمہارے دادا غازی حیدر خان عماچہ کی مداح ہوں ان کے ایک قصیدے کو روزانہ نماز صبح کے بعد بطور تعقیبات پڑھتی ہوں انہوں نے وہ سارا قصیدہ زبانی پڑھا۔ اس قصیدے کو انہوں نے

زبانی حفظ کیا ہوا تھا وہ قصیدہ یہ ہے۔

ستو دغی بلبل علی ستو دکھی شگوفی وجسی گھونچی کھا

بوئیس بھورژ حسن نہ نین ملیا لظم تا شغر تو چی رکھا

میں اس بات پر حیران رہا کہ محمودہ بیگم شملہ میں پیدا ہوئی گلی کوچے کی زبان ہندی مسلمانوں کی زبان اردو، سکول اور سرکاری زبان انگریزی تھی محمودہ بیگم کو قیام پاکستان کے بعد بھی بلتستان تشریف لانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ پھر بھی قومی ہمدردی اور بلتی زبان سے لگاؤ تھا۔ اتنی کہ دعا بھی بلتی زبان میں مانگی تھی۔

زبیدہ بیگم

آپ متحدہ ہندوستان میں انگریزوں کے دارالحکومت شملہ کے میئر خان بہادر سید مہدی علی شاہ کی زوجہ تھیں اس خاتون کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ محترمہ فاطمہ جناح نے انکی دعوت پر اپنے بھائی قائداعظم کے ہمراہ شملہ کا دورہ کیا بیگم مہدی علی شاہ نے محترمہ فاطمہ جناح کا استقبال کیا۔ قائداعظم اور مادر ملت کو میٹروپول ہوٹل میں بطور مہمان ٹھہرایا جوان کا ذاتی ہوٹل تھا۔ محترمہ فاطمہ جناح کی فرمائش پر شملہ میں مسلم لیگ خواتین کی شاخ قائم کی۔ اور اسمیں دل کھول کر چندہ دیا بلکہ کہا جاتا ہے کہ ان کے خاوند سید مہدی علی شاہ نے مسلم لیگ کیلئے جو چندہ مرکزی فنڈ میں جمع کرتا تھا وہ بھی احتر لما زبیدہ بیگم ہی کے ہاتھ مادر ملت تک پہنچایا گیا۔ قیام پاکستان کے دوران بلتستان والے مسلم لیگ میں اپنی ڈنکے کی چوٹ فعالیت کی وجہ سے ہندوں کے انتقامی کاروائی کا نشانہ بننے لگے تو سارے بلتستانیوں اور شمالی علاقہ جات کے سب باشندوں کے لئے زبیدہ بیگم کا گھر ہی پناہ گاہ بنا۔ زبیدہ بیگم کا باورچی خانہ ایک بڑے لنگر میں تبدیل ہوگیا۔ اور سب کا ہجرت تک لنگر جاری رہا۔ اسلامی جذبہ سے سرشار زبیدہ بیگم کا کنبہ بھی پاکستان منتقل ہوگیا۔ تحریک پاکستان کے سفر میں سید مہدی شاہ اور زبیدہ بیگم قیادت کرتے تھے ان میں اور مسلم لیگی کارکن شریک سفر تھے لیکن یہاں منزل ان لوگوں کو ملی ہوئی تھی جو سرے سے شریک سفر ہی نہ تھے۔ یہ پاکستان کا پہلا المیہ تھا جس میں زبیدہ بیگم کا کنبہ بھی کسی حد تک متاثر ہونے سے بچالیا گیا۔

سید مہدی شاہ مرحوم تو شاید نہ آسکے لیکن زبیدہ بیگم نے تقریباً 1957ء میں اپنے

آبائی گاؤں کو دیکھنے کی تمنا پوری کی۔ انہوں نے سکردو اور شگر کا دورہ کیا۔ شگر کے عوام نے ان والہانہ کا استقبال کیا۔ انہوں نے شگر کے بڑی خانقاہ میں عوامی ہجوم سے خطاب کیا۔ جس میں تعلیم ہترقی اور حب الوطنی کا درس دیا تھا۔

زبیدہ حراموشی

زبیدہ حراموشی Boodi Giri موضع Shoota نیابت حراموش تحصیل گلگت کی پیدائش ہیں۔ زبیدہ نمبردار گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ Dubani رسم یعنی بٹی دیدو اور بھولاؤ کے تحت اسی گاؤں کی ایک شریف شخص سے ہوئی جو عمر اور صحت کے اعتبار سے کم اور کمزور تھا۔ چونکہ شمالی علاقہ جات میں 55 فیصد کام خواتین سرانجام دیتی ہیں جس میں مشقتی کام بھی شامل ہے۔ زبیدہ کا شوہر جسمانی طور پر کمزور ہونے کی وجہ سے زبیدہ کو معمول سے زیادہ کام کرنا پڑا جب اس کا شوہر اپنے بھائیوں سے الگ ہوا تو اس کے حصہ رسدی میں ایک شاخ گائے بمع ایک شاخ بچھڑا، 5 من گندم اور ایک بکری آئے۔ چونکہ زبیدہ کے شوہر کے 3 بہنوں اور ایک بھائی کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ سسر نے ان کی شادی کے خرچے میں زمین کے علاوہ تمام جائیداد اٹھایا تھا۔ بچے چھوٹے، گھریلو کام کاج سے فارغ ہوتے ہی زبیدہ نے پہلے کچھ بھیڑوں کو پالا اور دھنائی اور کتائی کا کام شروع کیا۔ جس سے ٹوپیوں کیلئے پٹی بانی کا کام ہونے لگا۔ دوسری طرف زبیدہ نے مرغبانی بھی شروع کردی۔ اس آمدنی سے سب سے پہلے اپنا گھر بنایا اور پٹی بانی کی آمدنی سے بچوں کو بھی پڑھایا۔ عرصہ دوسال کے بعد سخت محنت اور مشقت سے 3 کنال اراضی میں گاؤں کے مزدور لگا کر بنجر شگافی کردی۔ جوں جوں بچے بڑے ہوتے گئے اور اپنی ماں کا ہاتھ بٹاتے گئے۔ ایک وقت ایسا آیا کہ ماں بیٹے اور شوہر نے اپنی کمائی سے 15 کنال اراضی 1995ء میں جلال میں خرید لیا اور اب وہ جلال آباد آئے ہیں۔ جلال آباد کا انتخاب اس لئے کیا کہ یہاں تعلیم کی سہولیات زیادہ ہیں اور زرعی پیداوار کے فروخت کے لئے مارکیٹ نزدیک ہے۔ ان کی دانشمندی کا یہ عالم ہے کہ خاندان میں جب بھی کوئی بڑا مسئلہ درپیش ہوتو ان کے ساتھ ضرور مشورہ لیتے ہیں۔ زبیدہ کے کل نو بچے ہیں جس میں سے 3 لڑکے کاروبار میں لگے ہیں، چار بچے زیر تعلیم ہیں اور دو بیٹیوں کی شادی ہوچکی ہے۔ اب وہ اپنی محنت کے بل بوتے پر ایک خوشحال زندگی گزار رہے ہیں اور بہت خوش ہیں۔

زندگی جہد مسلسل کی طرح کاٹی ہے

جانے کس بات کی پائی ہے سزا یاد نہیں

بدر جمالی جشٹیری

وادی داریل ضلع دیامر کی ایک تحصیل کا نام ہے۔ داریل کا قدیم نام داراد یسا تھا۔ یہ وادی قدیم زمانے میں بدھ اسٹوپا اور پھر لکڑی کا بنا ہوا ایک قد آور بت کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ مشہور چینی سیاح ہیون سانگ چھٹی صدی عیسوی میں براستہ کارگہ نالہ داریل سے گزر کر صوات گیا تھا۔ گلگت کی تاریخ اور اس کی آبادکاری کے حوالے سے داریل کو ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ اس کے علاوہ داریل ایک زمانے میں شناک دردستان کا صدر مقام تھا۔ شناک کی یہ پہچان ہے کہ یہاں کے ایوان بزرگان نے راجگی نظام کو کبھی پنپنے نہیں دیا۔ بلکہ اپنے قبائلی نظام ایوان بزرگان جشٹیرو سسٹم سے ہمیشہ وابستہ رہے۔ کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ بروشال کے راجوں نے داریل پر حکومت کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام ہوئے۔ اس لئے کہ وہ اپنا قبائلی نظام سے قلبی وابستگی رکھتے ہیں۔ 1952ء کو اپنی قدیم روایات کے تحت گلگت ایجنسی کی ماتحتی میں پاکستان سے الحاق کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ گلگت کی انتظامیہ نے انکی روایات کو رواج دینے کے لئے ریکارڈ مرتب کرنا چاہا، چنانچہ ہر گاؤں اور قبیلوں کے جشٹیرو کو نمبرداری کی سندات عنایت فرمائیں، اُس وقت، موضع دلوٹ جو وادی داریل کا آخری گاؤں ہے میں ایک خاتون جسکا نام بدر جمالی مشہور ہے سکونت پذیر تھیں۔ چنانچہ اسسٹنٹ پولیٹکل ایجنٹ چلاس نے موضع دلوٹ کا موقع ملاحظہ کیا۔ تو اسکو معلوم ہوا کہ وہاں ایک خاتون اپنی غیر معمولی مدبرانہ صلاحیتوں سے گاؤں کا نظام ایک جشٹیرو سے بہتر چلا رہی ہے۔ پس اُسکی مدبرانہ انتظامی صلاحیتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے محترمہ بدر جمالی کو نمبرداری "جشٹیرو" کی سند عطا ہوئی۔ یاد رہے کہ قبائلی نظام میں جشٹیرو بیک وقت ڈپٹی کمشنر، سول جج، مجسٹریٹ درجہ اول، رجسٹرار ہوا کرتے تھے۔ لہذا بدر جمالی جشٹیرو نے تقریباً 34 سال اپنے گاؤں دلوٹ کا نظام سنبھالا آخرکار 1985ء کو 120 سال کی عمر میں وفات پایا۔

maablib.org

قم باذن اللہ

عبدالحق تاج

دین نے بخشا تھا لوگوں کو کمال آگہی — جب عنادل نغمہ خواں تھے موسم گلپوش میں
دہر کے چہرے پہ رقصاں تھا جمال آگہی — وہ ترنم آج بھی رس گھولتا ہے گوش میں
انبیاءؑ نے پھول رکھے ہیں عقیدت کے بھی — حرف و لفظ وصوت سے بالاتری عظمت رہی
تیرے آنچل میں، ترے دامن، تری آغوش میں — اس لئے تو تیرے قدموں کے تلے جنت رہی
پھر ہوا ایسا کہ انساں پستیوں میں کھو گیا — بنت حواب کہاں پھر تیرا سن سمجھا گیا
طبع رنگیں کی بدولت مستیوں میں کھو گیا — ہاں کہیں، چہرا کہیں، تجھ کو بدن سمجھا گیا
کامل انساں تو نہیں بے جان تن سمجھا گیا — بے حقائق سے جہان کم نظر کم آشنا
حیف تجھ کو صرف شمع انجمن سمجھا گیا — در حقیقت ہے تمہاری زندگی غم آشنا
یاد رکھنا اس رویے سے ہے گھبرانا نہیں — جھول ہوتا ہے ذرا آغاز میں بے ساز میں
زندگی کا راز ہے یہ تو نے پہچانا نہیں — کب تلک محرومیاں تیری رہیں گی راز میں
اب تقاضا ہے زمانے کی تلافی ہے تجھے — ریگزار دہر میں گزرو اذاں دیتی ہوئی
برملا آواز اپنی وقت کی آواز میں — اک جہاں کو اعتبار جسم و جاں دیتی ہوئی
تم سے کوئی کہہ رہا ہے قم باذن اللہ سنو! — ہے تری تاریخ میں ذکر خدیجہ لازوال
ہے کٹھن منزل تمہاری دیکھ کر رستہ چنو! — پیروی کے راستے کچھ کم نہیں زہرا کا حال
ہے اگر مغرب کا تم کو نعرۂ نسواں پسند — دیکھو تو منزل کی جانب کیا تنی ہے روشنی
پھر تمہارے سامنے ہے مدر ٹریسا کی مثال — ظلمتیں سب چھٹ گئیں اب روشنی ہے روشنی
بے قیاس اس طرح کب تک ہو خرام زندگی — تیری قسمت میں سدا دست نگر رہنا نہیں
تھامو جام زندگی اب تو بنام زندگی — لے لو اپنے ہاتھ میں اپنا نظام زندگی

صدائے بنت حوا

مشتاق احمد راہی

پہلے میں جنتے ہی در گور ہوا کرتی تھی
آج میں جیتے جی درگور رہا کرتی ہوں
پھر بھی میں خوش ہوں جو ہے فرض ادا کرتی ہوں
نسل آدم کو ابھی تک میں جنا کرتی ہوں
کبھی مشکل پڑے کب جور و جفا کرتی ہوں
ظلم آدم کے میں ہر روز سہا کرتی ہوں
میں تو ہر دور میں مردوں کی رفاقت میں رہی
سر سے تا پا میں فنا ان کی محبت میں رہی
قیمت و قدر میں مردوں کے نہ قیمت میں رہی
جنتے ہی گھر کی نہیں قبر کی زینت میں رہی
پھر بھی دشنام زمانے کے سنا کرتی ہوں
ظلم آدم کے میں ہر روز سہا کرتی ہوں

—

maablib.org

درس گاہ اول ہی مجھ سے روٹھی ہے

مشتاق احمد راہی

سب سے پہلے کروں عورت کی میں عظمت کو سلام
بعد اس کے کروں میں اس کی اطاعت کو سلام
اس کہستان کی عورت کی شجاعت کو سلام
کر لیں ہم سب وادی جواری حکومت کو سلام
مجھ کو کہنا ہے کہ اس خطے کی عورت کو سلام
اس نے ہر دور میں بس ظلم سہے ہیں ان گنت
اشک آنکھوں سے ذرا دیکھو بہے ہیں ان گنت
اور پھر وقت کے دشنام سہے ہیں ان گنت
ہم کو کر لینا ہے اس صبر کی قوت کو سلام
مجھ کو کہنا ہے اس خطے کی عورت کو سلام
اس نے ماں بن کے کیا لالک و بابر پیدا
کوکھ سے اس کی ہمیشہ ہوئے گوہر پیدا
ہاں اسی ماں نے کئے ہیں یہ دلاور پیدا
میری ماں ہو تیری اس شان کو شوکت کو سلام
مجھ کو کہنا ہے کہ اس خطے کی عورت کو سلام

زن + جبر

جمشید دکھی

بے چاری عورتوں پہ مظالم کا راج ہے
یا رب مرے دیار میں کیسا رواج ہے
لخت جگر کے ساتھ بھی کرتی ہیں خود کشی
کیوں ان کو زندگی کی نہیں احتیاج ہے؟
تنگ آ کے کودتی ہیں جو دریا میں بے خطر
یہ بھی خلاف جبر تو اک احتجاج ہے
زن، تیری مملکت میں ہے واعظ شکار ظلم
کیا تیرے پاس اس کا بھی کوئی علاج ہے
بنت حوا کی حالت ابتر کو دیکھ کر
زخموں سے چُور چُور یہ دل کا زجاج ہے
حد سے گزر گئی ہیں سماجی برائیاں
خاموش پھر بھی دیکھتا یہ سامراج ہے
اتنا شدید پہلے بھی شاید نہ تھا کبھی
عورت پہ جور و ظلم کا عالم جو آج ہے
اہلِ زمین کو مل کے جگائیں گے دوستو!
مائل بھی اب کرم پہ فلک کا مزاج ہے
اک میں فقط نہیں ہوں مظالم پہ نکتہ چیں
بلکہ ضیاء بھی طارق و یحییٰ و تاج ہے
ان بے بسوں کے واسطے شعروں کی شکل میں
میری عقیدتوں کا یہ ادنیٰ خراج ہے
پرسان حال کوئی نہیں ہے یہاں دکھی
سوئے ہوئے ضمیر ہیں، بے حس سماج ہے

ایک لڑکی

تھکی تھکی اک ہاری لڑکی   شرم و حیا کی پیکر
پھولوں جیسی پیاری لڑکی   وہ سرتاپا تھی ساری لڑکی

جانے کس کو ڈھونڈ رہی تھی   قدم قدم وہ مڑ کر دیکھے
قسمت کی یہ ماری لڑکی   خوف زدہ، دکھیاری لڑکی

حوس پرستوں کے جنگل میں   گھر کی جنت سے تو نکل کر
تنہائی اور کنواری لڑکی   ہو گئی کیوں بازاری لڑکی

آج نئی تہذیب کے ہاتھوں   چھن چھن گھنگھرو بول رہے ہیں
بکتی ہے بیچاری لڑکی   ابھی سفر ہے جاری لڑکی

تیرے بدن کو نوچ رہی ہے   کوٹھے کی زینت وہ بنی ہے
ظالم دنیا ساری لڑکی   بابل دیکھ تمہاری لڑکی

آج تمہارے سارے رشتے   پھول تھا جانے کس آنگن کا
ہو گئے کاروباری لڑکی   ہو گئے کاروباری لڑکی

قائم تیرے سر پہ کب تک
مردوں کی سرداری لڑکی
رحمت یزداں ہو کر بھی تو
ہم سب پہ ہے بھاری لڑکی

یہ بستی ہے حیوانوں کی
چھوڑ دے آہ و زاری لڑکی
تری تقدس کے دشمن ہیں
فلمی اور اخباری لڑکی

پانی پانی ہوگئی ساری
دیکھو رشتہ داری، لڑکی
بوڑھی اماں اور ابا کی
مت کر دل آزاری لڑکی

پھبن تیرے دیکھ کے سب کو
ہوگئی ہے بیزاری لڑکی
عفت و عصمت کے ہیں ضامن
چادر چار دیواری لڑکی

شرم و حیا کے رنگوں سے پھر
کرتا ہے گلکاری لڑکی
جانو تو زیور ہیں تیرے
گرہستی، گھرداری لڑکی

گر لڑکا ہے پھول چمن کا
پھولوں کی پھلواری لڑکی
دل کے لہو سے لکھ دی ہم نے
ساری کار گزاری لڑکی

maablib.org

تحریر: مدرس عبدالحفیظ المعروف ابوشاکر حفیظ، حلقہ ارباب ذوق گلگت

حوالہ جات

نام مولف : محمد یحییٰ سید

نام کتاب : شمالی خاتون اور عصری تقاضے

	نام کتاب		نام مصنف
1۔	فاطمہ فاطمہ	:	ڈاکٹر علی شریعتی
2۔	حیات فاطمہ	:	ڈاکٹر سید جعفر شہیدی
3۔	مثالی خواتین	:	ڈاکٹر احمد بہشتی
4۔	مسلمان عورت	:	ڈاکٹر ابوالکلام آزاد
5۔	مادر ملت فاطمہ جناح نمبر	:	اردو ڈائجسٹ شمارہ دسمبر 2003
6۔	تاریخ گلگت	:	راجہ شاہ رئیس خان
7۔	مدر ٹریسا	:	انٹرنیٹ
8۔	میڈم تھیچر	:	انٹرنیٹ
9۔	خاتون جنت نمبر	:	اخبار جنگ
10۔	بلتستان کی جفاکش خواتین	:	اخبار نوائے وقت
11۔	عوامی بیدارکاری	:	ایس سی او اور ریسورس سنٹر آغا خان فاؤنڈیشن
12۔	بلتستان کی مثالی خواتین	:	ڈاکٹر حسن خان اماچہ
13۔	بلتستان کی نامور خواتین	:	سید محمد عباس کاظمی
14۔	روداد کانفرنس	:	اے۔کے۔آر۔ایس۔پی
15۔	جلد مقالی لمبردار وراثت دار ملی	:	ڈاکٹر فیض الرحمٰن
16۔	زبیدہ حراموشی	:	صاحب خان حراموشی

MAAB 1431
maablib.org

ناشر محمود ایجنسی مدینہ مارکیٹ گلگت